خزینۃ الاصفیا
ایک ہزار سے زائد اکابر صوفیاء کرام کا اہم تذکرہ
تالیف لطیف
مفتی غلام سرور لاہوری
تصحیح و ترجمہ
جناب محمد ظہیر الدین صاحب بھٹی
مکتبہ نبویہ
گنج بخش روڈ ○ لاہور
www.maktabah.org

جلد چہارم —— مخزن پنجم (۵)

سلسلہ سہروردیہ

خزینۃ الاصفیاء

ایک ہزار سے زائد اکابر صوفیاء کرام کا اہم تذکرہ

تالیف لطیف

مفتی غلام سرور لاہوری قدس سرہ

ترتیب و ترجمہ

جناب محمد ظہیر الدین صاحب بھٹی

○

جلد چہارم ــــ مخزن پنجم (۵)

سلسلہ سہروردیہ

نام کتاب	خزینۃ الاصفیاء
نام مولف	مفتی غلام سرور لاہوری رحمتہ اللہ علیہ (م ۱۳۰۷ھ)
سال طباعت فارسی ایڈیشن	۱۲۹۰ھ
سال طباعت اردو ترجمہ	۱۴۱۴ھ / ۱۹۹۴ء
مترجم	محمد ظہیر الدین بھٹی، ایم۔اے
کمپوزنگ	المدد کمپوزرز، راج گڑھ، لاہور
ناشر	مکتبہ نبویہ، گنج بخش روڈ لاہور
طابع	نصرت پریس لاہور فون نمبر 7238807 - 7238701 - 7233910
قیمت مجلد	۵۰ روپے

فہرست اولیائے سلسلہ سہروردیہ

سلسلہ سہروردیہ کا تعارف

مخزن پنجم میں خاندان عالی شان سہروردیہ کے حضرات والا درجات کے مناقب پیش کیے جا رہے ہیں۔ یاد رہے کہ اس خانوادۂ عالیہ سہروردیہ کی ابتداء سید الطائفہ حضرت جنید بغدادی رحمتہ اللہ علیہ سے ہوئی تھی۔ حضرت جنید بغدادی کے بعد اس سلسلے کو حضرت ممشاد دینوری رحمتہ اللہ علیہ نے سنبھالا اور بڑے بڑے صاحب کمال و جلال اور ارباب کرامات و خوارق اور اپنے زمانے کے برگزیدہ اور ستودہ صفات اولیاء اللہ پیدا ہوئے۔ ان بزرگوں کے خوارق و کرامات، ریاضت اور مشاہدات، عبادت و محبت خداوندی کا شہرہ تمام عالم اسلام میں پہنچا، خصوصاً مشائخ عراق و پنجاب اس سلسلہ عالیہ میں تربیت پاتے رہے۔ علم و حلم، زہد و تقویٰ ان لوگوں کا معمول تھا اور وہ ان اوصاف میں شہرۂ آفاق ہوئے۔ ان میں سے اکثر، حضرت جنید بغدادی رحمتہ اللہ علیہ کے خلفاء اعظم و مریدان کامل تھے جن کا ذکر ہم اگلے صفحات میں پیش کر رہے ہیں۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

عرض مترجم

حضرت مفتی غلام سروری لاہوری رحمتہ اللہ علیہ نے امت اسلامیہ کے صلحاء کے تعارف و تذکرہ میں زیر نظر کتاب "خزینۃ الاصفیاء" لکھی۔ یہ سات مخزنوں پر مشتمل ہے۔ پاکستان کے سرکاری تعلیمی اداروں اور دینی اداروں میں اب فارسی زبان خصوصی توجہ کی مستحق نہیں رہی' اس لیے فارسی میں لکھی گئی اس یادگار تصنیف کو اردو کا جامہ پہنانا پڑا۔ مخزن اول و دوم کا ترجمہ پہلے ہی چھپ چکا ہے۔ چوتھے اور پانچویں مخزن کا اردو ترجمہ کرنے کی سعادت مجھے حاصل ہوئی ہے۔ یہ دونوں مخزن بہ ترتیب سلسلہ عالیہ "نقشبندیہ" اور "سہروردیہ" کے بزرگوں کے احوال و تعارف پر مبنی ہیں۔

حضرت مفتی غلام سرور لاہوری رحمتہ اللہ علیہ کا اسلوب تذکرہ قدیم انداز کا ہے۔ میں اگر چاہتا تو نئے عنوانات' سرخیوں' ذیلی سرخیوں وغیرہ سے اس کتاب کو نئے ڈھنگ میں مرتب کر دیتا مگر میں نے عملاً ایسا نہیں کیا۔ میں نے انداز و ہیئت میں کسی قسم کی تبدیلی روا نہیں رکھی کیونکہ میرے اس اقدام سے گویا ایک نئی کتاب سامنے آتی یوں اصل کتاب کی عکاسی نہ ہوسکتی۔ حالانکہ ضرورت یہی تھی کہ ہم اپنے قدیم روحانی و ثقافتی ورثہ کو اپنی

اصل صورت میں بھی سامنے لائیں۔

میں نے محض ترجمہ کرنے پر اکتفا کیا ہے اور اس عمل میں بھی "ظاہری تصرف" اور "معنوی تحریف و تغیر" سے مکمل اجتناب کیا ہے۔ البتہ تکرار صفات اور کثرت مترادفات کے قدیم اسلوب نگارش کا سادہ الفاظ میں ترجمہ کر دیا ہے کیونکہ اب وہ انداز یکسر متروک ہوچکا ہے۔ مثلاً "کاشانہ فیض شبانہ" "سینہ بے کینہ" "پیر روشن ضمیر" اور "طریقہ عالیہ چشت اہل بہشت" وغیرہ۔

اس مادی دور میں جب "معیار زندگی" کو بلند کرنا ہی ہر کسی کا مطمع نظر بن چکا ہے، ان تارک الدنیا درویشوں اور صوفیاء کرام کے حالات زندگی، ان کے اخلاق و کردار اور ان کے طرز بود و ماند کے مطالعہ سے ہماری نئی نسل کے سامنے احترام انسانیت، انسانوں کو گناہوں سے بچانے کی جدوجہد، مادی و فانی دنیا کو محض ضرورت کی حد تک رکھنا، خدمت آدمیت، مساوات و رواداری، توکل علی اللہ، تعلیم و تربیت، سچائی، دیانت، شرافت، تزکیہ نفس اور سب سے بڑھ کر اپنے خالق و مالک کی رضا کا حصول ـــــ جیسی اعلیٰ معنوی اقدار آئیں گی۔ اگر ہم آج بھی سلف صالحین کی روش پر چلیں، ان قدروں اور اصولوں کو اپنائیں جن کی خاطر ہمارے بزرگوں نے اپنی زندگیاں صرف کر دی تھیں تو یقیناً ہمارا گناہ آلود، جنسی بے راہروی کا شکار، اخلاقی اقدار سے خالی، امن و آشتی سے بیگانہ معاشرہ بھی ایک مثالی صالح معاشرہ بن سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے سلف صالحین کے نقوش تابندہ پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

محمد ظہیر الدین بھٹی

لاہور، یکم نومبر ۱۹۹۳

ممشاد دینوری قدس سرہ

معلوم ہونا چاہیے کہ سلسلہ عالیہ سہروردیہ کی ابتداء بھی سید الطائفہ حضرت جنید بغدادی رحمتہ اللہ علیہ سے ہے۔ آپ کے بعد حضرت ممشاد دینوری رحمتہ اللہ علیہ تھے جو صاحب کمال و جلال اور باہمت و کرامت' یگانہ روزگار' صاحب خوارق و کرامت بزرگ تھے۔ آپ ریاضت و مشاہدات اور عبادت و محبت میں بے مثال تھے۔ آپ کا تعلق بھی بزرگان مشائخ عراق سے تھا۔ علم و حلم اور زہد و تقویٰ میں طاق اور شہرہ آفاق تھے۔ حضرت جنید رحمتہ اللہ علیہ کے کامل مرید اور عظیم خلیفہ تھے۔ آپ "دینور" میں رہتے تھے۔ یہ قرمسین کے نزدیک جنبل کے شہروں میں سے ایک شہر ہے۔

ممشاد دینوری رحمتہ اللہ علیہ ہمیشہ خانقاہ کا دروازہ بند رکھتے تھے۔ جب کوئی مسافر آتا' دروازہ کھٹکھٹاتا' تو آپ پوچھتے کہ مسافر ہو یا مقیم' اگر قیام کرنا چاہتے ہو تو آجاؤ اور اگر مسافر ہو تو یہ سرائے نہیں ہے۔

خواجہ ممشاد نے ایک بار فرمایا: چالیس سال سے بہشت کو سجا کر میرے سامنے پیش کیا جا رہا ہے مگر میں ہوں کہ رغبت کی آنکھ سے اسے نہیں دیکھتا۔ تیس سال ہونے کو آئے ہیں کہ میں نے اپنا دل گم کر دیا ہے اور میں نہیں چاہتا کہ مجھے دل واپس کر دیا جائے۔

وفات: بقول صاحب سفینتہ الاولیاء وغیرہ شیخ ممشاد دینوری ۲۹۸ھ میں فوت ہوئے۔

قطعہ

حضرت ممشاد دینوری ولی — چوں ازیں عالم بہ جنت یافت جا
سال ترحیلش عیاں شد از نبرد — "زاہد آفاق محبوب اللہ"

۲۹۸ھ

شیخ ردیم قدس سرہ

آپ کی کنیت ابو محمد ہے۔ ابو بکر' ابوالحسین اور ابو شیبان بھی کہلاتے ہیں۔ آپ کے والد کا نام احمد بن یزید بن ردیم ہے۔ آپ بغدادی الاصل ہیں۔ عالم' فقیہ' علوم ظاہر و باطن کے ماہر تھے۔ آپ سید الطائفہ حضرت جنید بغدادی رحمتہ اللہ علیہ کے مرید کامل اور شاگرد رشید تھے۔ ممشاد دینوری رحمتہ اللہ علیہ کی صحبت سے بھی بہت فائدہ اٹھایا۔ آپ داؤد اصفہانی کے مذہب پر تھے۔

شیخ ابو عبداللہ بن خفیف رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگرچہ شیخ ردیم اپنے آپ کو سید الطائفہ جنید رحمتہ اللہ علیہ کا مرید اور شاگرد کہتے تھے لیکن ان سے بہتر تھے۔ اور میں ان کے ایک بال کو' سو جنید سے زیادہ عزیز رکھتا ہوں اور یہ کہ میری آنکھ نے ان سے بڑھ کر ساری عمر میں کسی کو بزرگ نہیں دیکھا اور ان سے بڑھ کر کسی نے بھی توحید میں کلام نہیں کیا۔

صاحب "نفحات الانس" فرماتے ہیں: شیخ ردیم نے اپنی آخری عمر میں اپنے آپ کو دنیا داروں سے پوشیدہ کر لیا' تاہم چھپے نہ رہے کیونکہ عشق اور مشک کو چھپایا نہیں جا سکتا۔

سید الطائفہ جنید رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ شیخ ردیم' مشغول فارغ ہیں اور میں فارغ مشغول ہوں۔ یعنی احتشام باوجود دنیاوی احتشام و شوکت کے حق میں مشغول رہے اور یہ بات مشکل ہے کہ کوئی دولت مند ہوتے ہوئے مشغول بحق رہے۔

وفات: شیخ ردیم کی وفات' باقوال صحیح ۳۰۳ھ میں ہوئی۔

قطعہ

چون "ردیم" از دار دنیا رخت بست　　　رفت از عالم بہ جنت جنتی

سال ترحیلش خرد فیروز گفت   "پیر کامل خواند و ہم انور ولی"

۳۰۳ھ

شیخ علی رودباری قدس سرہ

آپ کا نام نامی احمد بن محمد بن قاسم بن منصوب رودباری ہے۔ آپ کے آباء کرام کا نسب نوشیروان عادل تک جا پہنچتا ہے۔ آپ سید الطائفہ جنید کے خاص مرید ہیں۔ ممشاد دینوری کے فیض یافتہ ہیں۔ آپ حدیث کے حافظ' عالم' فقیہ اور ادیب تھے۔ امام اور سردار قوم تھے۔ آپ کے ماموں ابو عبداللہ رودباری ہیں۔

ایک بار سید الطائفہ حضرت جنید بغدادی' جامع مسجد میں وعظ کر رہے تھے اور ایک شخص سے مخاطب ہو کر کہہ رہے تھے۔ اسمع یا شیخ ابو علی! آپ مسجد کے سامنے سے گزر رہے تھے' سمجھا کہ شیخ مجھ سے مخاطب ہیں۔ وہیں کھڑے ہو گئے اور حضرت جنید کی باتیں سننے لگے۔ وعظ کا آپ کے دل پر اتنا اثر ہوا کہ دل دنیا سے اچاٹ ہو گیا۔ جو کچھ پاس تھا وہ اللہ کی راہ میں قربان کر دیا۔ سید الطائفہ کے مرید ہو گئے اور کمالات ظاہری و باطنی پائے۔

وفات: حضرت علی رودباری نے ۳۳۲ھ میں داغ مفارقت دیا۔

قطعہ

علی چوں بلطف خدا و نبی   ز دنیائے دون شد مخلد برین

بگو "محرم دل" بتاریخ سال   علی پیر فرماؤ برهان دین

۳۳۲ھ   ۳۳۲ھ   ۳۳۲ھ

شیخ ابو عبداللہ خفیف قدس سرہ

آپ کا نام نامی اور اسم گرامی محمد بن خفیف شیرازی ہے۔ آپ بادشاہوں کے خاندان میں سے اور ان کی اولاد تھے۔ آپ کی والدہ نیشاپور

سے تھیں۔ آپ اپنے زمانہ کے قطب اور مقتدائے اہل طریقت تھے۔ ریاضت و مجاہدت میں بے مثل تھے۔ آپ شیخ احمد ردیم کے مرید تھے۔ شیخ الاسلام اور امام الطریقت آپ کے القاب ہیں۔ آپ کو شیخ ابو طالب بغدادی' ابو الحسین مالکی' ابو الحسین فرین اور ابو الحسین دراج اور یوسف حسین رازی رحمتہ اللہ علیہم کی صحبتوں سے استفادہ کی سعادت ملی۔ دینی و دنیوی تعلیم میں کامل تھے۔ فقہ میں امام شافعی کے مذہب پر تھے۔ آپ کی تصوف میں کئی تصانیف ہیں۔ "سلسلہ خفیفہ" آپ کی طرف منسوب ہے۔

شیخ فرماتے ہیں کہ ایک بار اہل مصر نے مجھے بتایا کہ یہاں دو اولیاء اللہ ہیں: ایک جوان اور دوسرے بوڑھے۔ دونوں ہمیشہ مراقبہ میں رہتے ہیں۔ میں ان کے پاس گیا۔ میں نے دیکھا کہ دونوں رو بقبلہ بیٹھے ہیں۔ میں نے تین بار انہیں سلام کیا مگر انہوں نے جواب نہ دیا۔ میں نے کہا "تمہیں خدا کی قسم ہے' میرے سلام کا جواب دو"۔ جوان نے سر اٹھایا اور سلام کا جواب دیا اور کہا "اے ابن خفیف! دنیا حقیر اور تھوری ہے۔ اب بہت کم رہ گئی ہے مگر تم بے فکر اور فارغ ہو کہ ہمیں سلام کر رہے ہو"۔ یہ کہا اور سر جھکا لیا۔ اس وقت میں بھوکا اور پیاسا تھا۔ مجھے اپنے بھوکے اور پیاسے ہونے کی ہوش نہ رہی۔ میرے دل پر گہرا اثر ہوا۔ میں نے وہیں رک کر عصر اور ظہر کی نماز پڑھی۔ بعد ازاں میں نے کہا "مجھے نصیحت کیجئے کہ کام آئے"۔ انہوں نے جواب دیا "ہم زبانی نصیحت نہیں کیا کرتے"۔ میں تین دن تک وہیں رہا۔ ان دنوں میں کھانا' پینا اور سونا موقوف رہا۔ رخصت ہوتے وقت میں نے دل میں کہا "انہیں کس چیز کی قسم دوں تاکہ وہ مجھے نصیحت کریں"۔ جوان زاہد' میری اس آرزو سے' نور کرامت کے ذریعے' مطلع ہو گئے اور کہا کہ "نصیحت یہ ہے کہ ایسے آدمی کی مجلس کرو کہ اس کے دیکھنے سے تمہیں اللہ کی یاد آئے۔ اس کی ہیبت تیرے

دل پر چھا جائے۔ وہ تجھے زبان حال سے نصیحت کرے نہ کہ زبان قال سے"۔

وفات: شیخ عبداللہ بقول صاحب "نفحات الانس" ۳۳۱ھ میں فوت ہوئے۔ "تذکرۃ العاشقین" کی تحریر کے بموجب ۳۳۲ھ میں انتقال فرمایا۔ آپ کی قبر "شیراز" میں ہے۔ آپ کی عمر ۹۵ برس تھی۔

قطعہ

چون بہ جنت رسید عبداللہ　　قدر اعلیٰ مخلد عالی یافت

ہم "ولی سعید عبداللہ"　　ہست "بحر الکمال" تاریخش

۳۳۱ھ　　۳۳۱ھ

شیخ ابو علی کاتب قدس سرہ

آپ اصل میں مصری تھے۔ شیخ ابو علی رودباری رحمتہ اللہ کے خلیفہ اور مرید ہیں۔ اکثر مشائخ عظام سے صحبتیں رہیں۔

آپ فرماتے تھے: جب بھی مجھے کوئی مشکل پیش آتی ہے تو میں پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھتا ہوں اور اس مشکل کے حل کی درخواست کرتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی توجہ سے میری مشکلیں حل کر دیتا ہے۔

وفات: آپ کی وفات بقول صاحب "سفینتہ الاولیاء" و "نفحات الانس" ۳۴۶ھ میں ہوئی۔ صاحب "تذکرۃ العاشقین" نے ۳۵۶ھ تحریر کی ہے۔

قطعہ

بذات عین حق گردید موصول　　علی چون رفت از دنیائے فانی

دگر فرما "علی محبوب و مقبول"　　"علی موسوم" تاریخش رقم کن

۳۵۶ھ　　۳۴۶ھ

ابو العباس احمد اسود دینوری قدس سرہ

آپ کے والد کا نام محمد ہے۔ آپ دینور کے رہنے والے تھے۔ آپ دینور کے عظیم بزرگ اور علوم ظاہری و باطنی کے عالم تھے۔ اپنے وقت کے مرشد کامل' عالم و فاضل' عابد' زاہد' متقی اور ہمیشہ روزہ رکھنے والے تھے۔ اہل دنیا کی صحبت سے متنفر تھے۔ ممشاد دینوری کے مرید تھے۔ ان کے علاوہ دیگر مشائخ سے بھی استفادہ کیا اور ان کی ہم نشینی کا شرف حاصل کیا۔

پہلے دینور سے نیشاپور آئے۔ کچھ عرصہ وہاں ٹھہرے' پھر ترمذ آئے' وہاں سے سمرقند تشریف لے گئے' پھر وہیں رہے اور سینکڑوں طالبان ہدایت کو حق تک پہنچایا' بالاخر وہیں انتقال ہوا۔ آپ کا واقعہ وفات' بقول صاحب "نفحات الانس" ۳۴۰ھ میں ہوا۔ "سفینتہ الاولیاء" کی تحریر کے بموجب آپ نے ۳٦۷ھ میں وفات پائی۔ "تذکرۃ الاقطاب" کے بقول ۳٦٦ھ میں' اللہ کو پیارے ہوئے۔ میرے نزدیک ۳٦۷ھ میں آپ کی وفات درست ہے۔

قطعہ

احمد اسود چو از دنیا برفت عقل سال نقل آن عالی مکان
گفت "احمد زاہد دینور گو" باز "ہادی عابد دینور" خوان
۳۴۰ھ ۳٦٦ھ

ابو العباس نہاوندی قدس سرہ

آپ کا اسم گرامی احمد بن محمد بن محمد الفضل ہے۔ آپ نہاوند کے باشندہ ہیں۔ آپ شیخ عبداللہ بن خفیف کے مرید' جعفر خلدی کے شاگرد اور شیخ عمویہ کے شاگرد ہیں۔ آپ صاحب مقامات عالیہ تھے اور مظہر انوار جلیلہ تھے۔ شریعت و طریقت میں مضبوط و مستحکم تھے۔

ایک طالب اسلام' شیخ ابو العباس قصاب کی خانقاہ میں گیا۔ شیخ نے اسے

بیان کیا جاتا ہے کہ شیخ شہاب الدین عمر سہروردی' سماع نہیں سنتے تھے اور فرمایا کرتے تھے "شہاب الدین کو' ذوق سماع کے سوا' سب نعمتیں عطا کی گئی ہیں"۔

ایک بار شیخ اوحد الدین کرمانی رحمتہ اللہ علیہ آپ کے پاس آئے۔ آپ نے نہایت عزت و توقیر کی۔ جب رات آئی تو شیخ اوحد الدین نے سماع کی درخواست کی۔ آپ نے قوال بلوا لیے' سماع کی جگہ تیار کروادی۔ شیخ اوحد الدین کرمانی کو وہاں سماع میں مشغول کروانے کے بعد' خود ایک گوشہ میں چلے گئے اور تلاوت قرآن میں مشغول ہو گئے۔ صبح کے وقت' خانقاہ کا خادم آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی "مشائخ ساری رات سماع میں مصروف رہے ہیں' اب ان کے لیے کھانا تیار کرنا ہے"۔ شیخ نے فرمایا "مجھے بالکل نہیں معلوم ہو سکا کہ مشائخ ساری رات مشغول سماع رہے ہیں"۔ غرضیکہ شیخ ساری رات ذکر اور تلاوت قرآن مجید میں اس طرح مصروف رہے کہ آپ کے کان میں قوالوں کی آواز نہ پڑی۔

سلطان المشائخ نظام الدین بداونی قدس سرہ "فواید الفواید" میں فرماتے ہیں کہ ایک حکیم فلسفی خلیفہ بغداد کے پاس آیا۔ اس کے پاس فلسفہ و حکمت کی کتابیں تھیں۔ اس کا منصوبہ یہ تھا کہ خلیفہ کو راہ حق سے ہٹادے۔ خلیفہ کا بھی اس کی طرف رجحان تھا۔ چنانچہ رات دن اس کے ساتھ مجلس کرتا اور اس سے ہمکلام رہتا۔ جب لوگوں نے یہ بات شیخ شہاب الدین سہروردی کو بتائی تو فرمایا "جتنا خلیفہ ان فلسفیوں کی طرف رجحان رکھے گا' اتنا ہی جہان پر کفر کی تاریکی چھائے گی"۔ یہ کہہ کر آپ اٹھ کھڑے ہوئے اور خلیفہ کے محل کی طرف چل پڑے۔ اتفاق سے اس وقت وہ فلسفی بھی خلیفہ کے پاس حاضر تھا اور خلوت میں خلیفہ کے ساتھ بیٹھا فلسفیانہ بحث کر رہا تھا۔ دربانوں نے خلیفہ کو

حضرت شیخ کی آمد کی خبر بتائی۔ خلیفہ نے آپ کو اندر بلوالیا۔ آپ جب خلیفہ کے پاس پہنچے اور اس حکیم کو دیکھا تو آپ نے پوچھا "اس وقت کیا بحث و گفتگو ہو رہی تھی؟" خلیفہ نے فلسفہ کی باتوں کو چھپانے کی خاطر کہہ دیا کہ یونہی باہمی دلچسپی کے امور پر بات چیت ہو رہی تھی۔ شیخ نے فرمایا کہ میں اسی لیے آیا ہوں کہ دیکھوں کہ خلیفہ اور اس شخص کے مابین کیا گفتگو ہو رہی ہے؟ لہٰذا خلیفہ کو بتانا چاہیے کہ کیا باتیں ہو رہی تھیں۔ جب شیخ نے اس بارے میں بہت زیادہ مبالغہ کیا تو فلسفی حکیم نے کہا "ہم اس وقت اس بات پر بحث کر رہے تھے کہ حرکت کی تین قسمیں ہیں: حرکت طبعی' حرکت ارادی اور حرکت قصری۔ طبعی حرکت وہ ہے کہ ایک چیز اپنی طبع سے حرکت کرے اور دوسری کوئی چیز اسے حرکت نہ دے۔ چنانچہ ہاتھ سے جو پتھر بلندی کی طرف پھینکا جاتا ہے وہ اپنی طبعی حرکت سے زمین پر گر پڑتا ہے۔ حرکت ارادی یہ ہے کہ کوئی چیز اپنے ارادہ سے جس طرف چاہے حرکت کرے اور حرکت قصری یہ ہے کہ اسے کوئی اور حرکت میں لائے۔ جیسے ہوا میں جو پتھر پھینکا جاتا ہے' اسے حرکت قصری کہتے ہیں۔ پھر جب اس پتھر کی حرکت کم ہو جاتی ہے اور اس کی وجہ سے وہ زمین پر گرتا ہے اسے حرکت طبعی کہا جاتا ہے۔ اب ہم اس بات پر بحث کر رہے ہیں کہ حرکت فلکی بھی حرکت طبعی ہے جو خود بخود ہو رہی ہے' اسے کوئی اور حرکت میں نہیں لا رہا"۔

شیخ نے فرمایا: "یوں نہیں ہے بلکہ حرکت فلک' حرکت قصری ہے"۔ انہوں نے کہا "وہ کیسے؟" فرمایا "ایک فرشتہ اس صورت اور اس شکل کا ہے جو فلک کو اللہ کے فرمان سے پھراتا ہے' جیسا کہ حدیث نبوی میں آیا ہے"۔ حکیم ازراہ تمسخر ہنسا۔ شیخ اس کے ہنسنے پر برافروختہ ہوئے۔ خلیفہ اور حکیم کا ہاتھ پکڑ کر کھلے صحن میں لے آئے۔ آسمان کی طرف دیکھا اور کہا "یا اللہ! جو

کچھ تو اپنے خاص بندوں کو دکھاتا ہے' وہ ان دونوں کو بھی دکھا"۔ پھر آپ نے خلیفہ اور حکیم کی طرف دیکھا اور کہا "آسمان کی طرف دیکھو!" دونوں نے حرکت فلکی کے ذمہ دار فرشتہ کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا کہ وہ فلک کو حرکت دے رہا ہے۔ جب انہوں نے یہ کرامت دیکھی تو اپنے باطل عقیدہ سے توبہ کر لی۔

شیخ شہاب الدین سہروردی کو روزانہ بہت سی فتوحات ملتیں۔ جو کچھ آپ کو ہر روز ملتا' آپ درویشوں اور مستحقوں پر صرف کر دیتے۔ جب آپ کی وفات کا وقت قریب آیا تو آپ کا ایک ۳۳ سالہ صاحبزادہ شیخ عماد الدین قریب آیا۔ اسے کرامت پدری سے کچھ نہ ملا تھا یعنی وہ اپنے والد محترم کی مانند نہ تھا۔ اس نے خادم خانقاہ سے خزانہ کی کنجی مانگی تو خادم نے تامل کیا اور کہا کہ اب شیخ کے انتقال کا وقت ہے۔ آپ کا مجھ سے کنجی مانگنا غیر مناسب ہے۔ مگر وہ باز نہ آیا اور چابی لینے پر اصرار کیا۔ جب شور ہوا تو حضرت نے بھی سنا۔ خادم کو اپنے پاس بلایا اور فرمایا "چابی اس کے حوالے کر دو"۔ بیٹے نے چابی لے لی۔ خزانہ کا دروازہ کھولا۔ وہاں چھ دینار سے زیادہ کچھ موجود نہ تھا۔ وہ بھی شیخ کی تجہیز و تکفین پر خرچ ہو گئے۔ چونکہ وہ محروم ازلی تھا' اس لیے اسے دنیا و عاقبت سے کچھ نہ ملا۔

شیخ شہاب الدین سہروردی رحمتہ اللہ علیہ ہر سال بغداد سے حج کے سفر پر جاتے اور کعبہ کا طواف کرنے کے بعد مدینہ پہنچ کر روضہ نبویہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کرتے۔ پھر واپس بغداد تشریف لاتے۔

آپ ۵۴۰ھ میں بقول صاحب "مخبر الواصلین" پیدا ہوئے۔ آپ کی وفات بالاتفاق ۶۳۳ھ میں ہوئی۔ ایک قول کے مطابق ۶۳۰ھ ہے۔ آپ کا مزار شریف بغداد میں ہے۔

مثنوی از مولف

مرشد اولیاء شہاب الدین اکمل الاتقیاء شہاب الدین
سال تولید آن شہ حق رس شد رقم "بادشاہ دین اقدس"
وصل او "متقی امام" آمد داند آنکس کہ ہمکلام آمد
۶۳۲ھ
عقل سال وصال او بیقین گفت "قطب حسن شہاب الدین"
۶۳۲ھ

سید نور الدین مبارک غزنوی قدس سرہ

آپ شیخ الشیوخ شہاب الدین عمر سہروردی رحمتہ اللہ علیہ کے عظیم خلیفہ ہیں۔ تکمیل اور خرقہ خلافت ملنے کے بعد دہلی آئے۔ چونکہ آپ اوصاف زہد و تقویٰ' دیانت و امانت سے موصوف تھے' اس لیے سلطان شمس الدین التمش نے آپ کو شیخ الاسلام دہلی قرار دیا اور آپ "میر دہلی" کے نام سے مشہور ہوئے۔

کتاب "فواید الفوائد" میں سلطان المشائخ نظام الدین بداونی رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ایک بار دہلی شہر میں بارش نہ ہوئی تو دہلی کے باشندوں نے شیخ نظام الدین ابو الموید سے درخواست کی کہ بارش کے لیے دعا کیجئے۔ شیخ منبر پر آئے۔ دعا کی' پھر آسمان کی طرف دیکھ کر کہا "الٰہی! اگر بارش نہ برسائے گا تو پھر کوئی آبادی باقی نہ رہے گی"۔ یہ کہہ کر منبر سے نیچے اتر آئے۔ اللہ تعالیٰ نے اسی وقت مینہ برسا دیا۔ آپ کے ایک دوست سید قطب الدین نے آپ سے اس بارے میں سوال کیا تو آپ نے فرمایا "یہ بات دوست' دوست سے کہتا ہے۔ مجھے معلوم تھا کہ بارش آئے گی۔ مجھے یقین اس لیے تھا کہ ایک دفعہ مجھے سلطان شمس الدین کے سامنے' دیوان شاہی میں' بیٹھنے کی وجہ سے' سید

نور الدین مبارک غزنوی کے ساتھ کچھ تلخی ہو گئی تھی۔ میں نے کچھ ایسی بات کر دی تھی اور آپ کو میری اس بات کا رنج تھا۔ چنانچہ آج جب لوگوں نے مجھے بارش کے لیے دعا کرنے کے لیے کہا تو میں آپ کے مزار پر گیا اور عرض کی "اگر آپ میرے ساتھ صلح کریں اور اس دعا میں میرے ساتھ شریک ہوں تو میں (بارش کے لیے) دعا کروں"۔ آپ کی قبر سے آواز آئی کہ میں نے آپ کے ساتھ صلح کر لی ہے۔ جائیے' دعا کیجئے اور بارش ضرور آئے گی۔

شیخ نصیرالدین محمود چراغ دہلوی رحمتہ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ ایک بزرگ شیخ اجل شیرازی تھے۔ سید نور الدین مبارک نے بچپن میں آپ سے فیض پایا تھا۔ شیخ اجل کا کپڑے کا ایک سوداگر مرید تھا۔ ایک دن وہ شیخ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی "میرے گھر میں ایک شیر خوار بیٹا ہے۔ اس کے لیے کچھ نعمت عطا فرمائیے"۔ آپ نے فرمایا "ٹھیک ہے' جب میں کل صبح کی نماز پڑھوں گا تو اپنے لڑکے کو لے آنا اور اسے میری دائیں طرف کھڑا کرنا"۔ اتفاق سے سید نور الدین مبارک کے والد بھی اس وقت وہاں تھے۔ جب انہوں نے شیخ اجل سے یہ بات سنی تو اپنے آپ سے کہا "میں بھی اپنے لڑکے کو لے آؤں گا"۔ جب صبح کی نماز کا وقت ہوا تو تاجر نے آنے میں دیر کی۔ ادھر سید نور الدین مبارک کے والد اٹھے اور اپنے لڑکے کو صبح کی نماز سے پہلے ہی مسجد لے گئے۔ نماز کے بعد شیخ کی دائیں طرف بچے کو بٹھا دیا۔ شیخ نے اس پر نظر کی اور اسے نعمت ولایت عطا کر دی۔ چنانچہ جتنی بھی آپ کو یہ سب برکت و نعمت ملی تھی' یہ شیخ اجل کی نظر برکت کا نتیجہ تھا۔ اگرچہ آپ نے دوبارہ شیخ الشیوخ کی خدمت میں جا کر اپنی تکمیل کر لی تھی اور خرقہ خلافت حاصل کر لیا تھا۔

ایک دفعہ غزنی میں کافی عرصہ سے بارش نہ ہوئی۔ شہر کے لوگ شیخ اجل

شیرازی کے پاس گئے اور بارش کے لیے دعا کرنے کی درخواست کی۔ شیخ گھر سے باہر آئے۔ ایک بھیڑ آپ کے پیچھے تھی۔ راستہ میں ایک باغ آیا۔ شیخ باغ میں چلے گئے۔ باغبان ایک درخت کے نیچے سویا ہوا تھا۔ شیخ نے اسے جگا کر کہا کہ درخت خشک ہو رہے ہیں' اٹھو اور درختوں کو پانی دو۔ اس نے جواب دیا "تجھے کیا؟ باغبان میں ہوں اور درخت میری ملکیت ہیں۔ پانی دینے کی ضرورت ہوگی تو میں پانی دے لوں گا"۔ شیخ نے فرمایا "تم اس بھیڑ کو کیوں نہیں روکتے جو میرے پیچھے لگے ہیں کیونکہ ہم بندے ہیں' زمین اللہ کی ہے' وہ جب چاہے گا بارش برسا دے گا"۔ آپ نے یہ فرمایا اور واپس چلے گئے۔ ابھی اپنی خانقاہ میں نہیں پہنچے تھے کہ باران رحمت شروع ہو گئی۔ شیخ اور سب لوگ بھیگ گئے۔ کسی کو معلوم نہ تھا کہ وہ باغبان کون ہے؟ جسے شیخ نے جگایا۔

وفات: شیخ نور الدین مبارک نے ۶۴۷ھ میں وفات پائی۔ آپ کا مقبرہ دہلی میں ہے۔

قطعہ

رفت نور الدین چو از دار الفنا بر اوانش باب جنت گشت باز
ہست "نور الدین منور" رحلتش باز "نورالدین مبارک پاک باز"
۶۴۷ھ ۶۴۷ھ

شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی القریشی الاسدی قدس سرہ

عظیم سہروردی مشائخ میں سے ایک ہیں۔ ہندوستان کے بہت بڑے ولی اللہ ہیں۔ صاحب کرامات تھے۔ آپ اعلیٰ مقامات و برکات سے مالا مال تھے۔ آپ کے جد بزرگوار کمال الدین علی شاہ قریشی' مکہ معظمہ سے خوارزم گئے اور وہاں سے ملتان رونق افروز ہوئے۔ آپ کے صاحبزادے شیخ وجیہ الدین کمالات ظاہری و باطنی سے آراستہ تھے۔ ان کی مولانا حسام الدین ترمذی کی

صاحبزادی سے شادی ہوئی۔ مولانا کی قلعہ کوٹ کروڑ میں سکونت تھی۔ شیخ بہاء الدین زکریا' قلعہ کوٹ کرور میں ۵۷۸ھ میں پیدا ہوئے۔ بارہ سال کی عمر میں' قرآن کریم کی سات قراتیں پڑھ لیں۔ اپنے والد وجیہ الدین کی وفات کے بعد خراسان کا سفر کیا۔ بخارا پہنچے' تحصیل علم میں مصروف ہو گئے' نیز بہت سے بزرگوں کی زیارت سے مشرف ہوئے' ان سے فیض لیا۔ پھر حرمین شریفین گئے۔ حج کعبہ کیا' زیارت روضہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی۔ پانچ سال تک مدینہ منورہ میں رہے۔ کمال الدین یمنی محدث سے حدیث کی تعلیم حاصل کی۔ وہاں سے بیت المقدس گئے۔ انبیاء کے مقابر کی زیارت سے مشرف ہوئے۔ ازاں بعد بغداد گئے اور اس علاقے کے مشائخ کی صحبت سے مستفید ہوئے۔ شیخ الشیوخ عمر شہاب الدین سہروردی کی خدمت میں پہنچے۔ آپ کے مرید ہو گئے۔ ۱۸ دن کی مدت میں کمالات ولایت تک پہنچ گئے۔ اب آپ کو خرقہ خلافت کا انتظار تھا کہ کب ملتا ہے؟

ایک رات "واقعہ" میں دیکھا کہ ایک نورانی گھر میں رسالت ماب صلی اللہ علیہ وسلم ایک تخت پر تشریف فرما ہیں۔ مرشد شہاب الدین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دائیں طرف ہاتھ باندھے کھڑے ہیں۔ اس گھر میں ایک طناب ہے جس پر کئی خرقے لٹکے ہیں۔ اسی دوران حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے شیخ بہاء الدین زکریا کو طلب فرمایا۔ شیخ الشیوخ نے اپنے دست ایزد پرست میں شیخ بہاء الدین کو پکڑا اور سامنے حاضر کر دیا۔ حضرت خاتم النبوت صلی اللہ علیہ وسلم نے شیخ شہاب الدین سے فرمایا کہ طناب پر پڑے ہوئے خرقوں میں سے ایک خرقہ اٹھا لاؤ اور بہاء الدین کو پہنا دو۔ شیخ الشیوخ نے خرقہ حاضر کر دیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے روبرو' شیخ بہاء الدین کو پہنا دیا۔

جب شیخ بہاء الدین نے یہ "واقعہ" دیکھا تو آپ صبح سویرے خرقہ ملنے کے لیے بے تاب امیدوار تھے۔ ادھر چاشت کے بعد' شیخ الشیوخ نے شیخ بہاء الدین کو اپنے پاس بلایا۔ جب وہ آپ کی خدمت میں پہنچے تو دیکھا کہ وہی گھر ہے' وہی طناب ہے اور وہی خرقے لٹکے ہیں جیسے کہ "واقعہ" میں دیکھے تھے۔ شیخ الشیوخ اس جگہ بیٹھے ہیں جہاں (رات کو واقعہ میں) رسالت ماب صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھے تھے۔ حضرت سہروردی نے جب شیخ بہاء الدین کو دیکھا تو خود اٹھے' اور وہی خرقہ جو رات کو خواب میں طناب سے اٹھایا تھا' اسے اٹھایا اور شیخ بہاء الدین کے کندھے پر رکھ دیا۔ پھر ارشاد ہوا۔

"اے بہاء الدین! ہمارے پاس یہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خرقے ہیں۔ یہ جس کو ملتے ہیں' آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے ملتے ہیں۔ میں تو ایک درمیانی واسطہ سے زیادہ کچھ نہیں ہوں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت کے بغیر کسی کو نہیں دے سکتا۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت کا حال تو' تو نے آج رات اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا ہے"۔

"فوائد الفوائد" میں سلطان المشائخ نظام الدین رحمتہ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ جب شیخ الاسلام بہاء الدین کو اٹھارہ دنوں کے بعد' شیخ الشیوخ کی بارگاہ سے نعمت عظمیٰ اور خرقہ خلافت ملا تو خانقاہ کے دیگر شیوخ (جو کئی سالوں سے ریاضت و مجاہدہ میں مصروف تھے اور ابھی تک ارشاد خلافت کی نعمت سے مشرف نہیں ہوئے تھے) کو رشک آیا اور کہنے لگے کہ یہ ہندی چند دنوں میں شرف خلافت سے مشرف ہو گیا اور ایک ہم ہیں کہ کئی سالوں سے شیخ کی خدمت میں حاضر ہیں مگر اب تک محروم ہیں۔ شیخ الشیوخ' صفائی باطن سے' ان کے اس خیال سے مطلع ہو گئے۔ آپ نے فرمایا "دوستو! پریشان نہ ہو' بات یہ ہے کہ تمہارے پاس گیلی لکڑیاں تھیں۔ گیلے ایندھن میں آگ نے یکبار اثر نہ

کیا' بہاء الدین زکریا کے پاس خشک لکڑیاں تھیں' خشک ایندھن کو آگ نے فوراً پکڑ لیا' علاوہ بریں' ذلک فضل اللہ یوتیہ من یشاء و اللہ ذو الفضل العظیم "۔

حضرت بہاء الدین زکریا رحمتہ اللہ علیہ خرقہ خلافت پانے کے بعد ملتان کی جانب چل پڑے۔ مرشد سے رخصت لے کر' ملتان مین سکونت اختیار کی۔ طالبان حق' فوج در فوج' آپ کی خدمت بابرکت میں آنے لگے۔ ملتان کے بزرگوں کو اس پر حسد ہوا۔ اور کنایتاً" دودھ کا ایک پیالہ آپ کی خدمت میں بھیجا۔ اس سے مقصد یہ تھا کہ پہلے ہی ملتان میں کافی بزرگ اور مشائخ عظام ہیں' جیسے کہ یہ پیالہ دودھ سے بھرا ہوا ہے' ایسے ہی ملتان اللہ کے ولیوں سے پر ہے۔ اب اس میں کسی دوسرے کی گنجائش نہیں۔ شیخ الاسلام بہاء الدین نے یہ مطلب اور کنایہ سمجھ لیا۔ اس پیالے پر گلاب کا پھول رکھا اور واپس بھیج دیا۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ اس شہر میں میرا مقام وہی ہو گا جو دودھ کے اوپر گلاب کا ہے۔

جب سید جلال الدین شریف اللہ سرخ بخاری قدس سرہ بخارا سے شیخ الاسلام کی خدمت میں تشریف لائے۔ شیخ زکریا کی خانقاہ میں قیام کیا۔ ایک دن خانقاہ کے صحن میں بیٹھے تھے۔ گرمی کا موسم تھا۔ ہوا نہایت گرم تھی۔ شیخ الاسلام حجرہ میں تشریف فرما تھے۔ اسی اثناء میں سید جلال الدین کو اپنے وطن کی سردی یاد آئی اور کہنے لگے "ہائے' بخارا کی سردی یہاں کہاں ملے گی؟" شیخ الاسلام نور باطن سے اس حال سے واقف ہوئے۔ حجرہ کے باہر تشریف لائے اور ایک خادم سے فرمایا "خانقاہ کے صحن کے پودے اٹھالو' جھاڑو لگاؤ کہ صحن خار و خس سے پاک ہو جائے"۔ خادم نے حکم کی تعمیل کی۔ جب خانقاہ کا صحن خوب صاف ہو گیا تو آسمان پر بادلوں کا ٹکڑا نمودار ہوا۔ بجلی کڑکی اور بادل

گرج اور خانقاہ کے صحن میں مرغی کے انڈے جتنے اولے برسنے لگے۔ چنانچہ پورا صحن ژالوں سے بھر گیا اور کمال یہ تھا کہ خانقاہ کے صحن کے سوا' شہر اور شہر سے باہر ایک اولہ بھی نہ پڑا تھا۔ سید جلال الدین اور دوسرے درویشوں نے تسلی سے اولے کھائے اور برتنوں میں محفوظ کر لیے۔ جب ظہر کی نماز کا وقت آیا' خانقاہ کی صفیں بچھائی گئیں۔ شیخ الاسلام حجرہ سے باہر آئے اور سید جلال الدین کو مسکرا کر فرمایا "یا سید بخارا کی سردی بہتر ہے یا ملتان کے اولے"۔ عرض کی "ملتان کے اولے بخارا سے ہزار درجہ بہتر ہیں"۔ سید جلال الدین اسی دن شیخ الاسلام کی بیعت سے مشرف ہوئے۔ کئی سال آپ کی خدمت میں رہے۔ اپنی تکمیل کی اور رخصت لے کر اوچ کی طرف روانہ ہوئے۔

حضرت شیخ الشیوخ شہاب الدین سہروردی رحمتہ اللہ علیہ کے بھانجے فخر الدین عراقی ایک کامل' دانشمند اور بے بدل شاعر تھے۔ علوم ظاہری سے آراستہ تھے۔ پہلے شام کے شہر دمشق میں ایک عظیم مدرسہ بنوایا۔ درس و تدریس میں مشغول رہے۔ پھر اچانک ایک خوبصورت قلندر زادہ پر فریفتہ ہو گئے۔ سر اور ڈاڑھی منڈوا دی اور قلندر بن گئے۔ اپنے وطن کو چھوڑا اور قلندروں کے طائفہ کے ساتھ چل پڑے۔ عراق آئے' عراق سے ہمدان' وہاں سے خراسان اور وہاں سے ملتان پہنچے۔ شیخ الاسلام کی خانقاہ میں رات گزاری۔ شیخ الاسلام نے فخر الدین کو پہچان لیا اور کشش باطنی سے انہیں اپنے پاس بلا لیا اور اس مصیبت سے نجات دلا کر' ساری رات اپنے پاس رکھا۔ صبح سویرے جب قلندروں نے کوچ کیا تو فخر الدین کو ان کے جانے کا پتہ چل گیا۔ عشق کی آگ' ایک بار پھر اس کے سینہ میں بھڑکی۔ قلندروں کے پیچھے بھاگے۔ راستے میں زور کی آندھی آئی جس سے دن تاریک ہو گیا۔ فخر

الدین سارا دن اسی طرح پھرتے رہے' رات ہوئی تو اپنے آپ کو ملتان میں' خانقاہ شیخ الاسلام کے دروازہ پر پایا۔ شیخ نے انہیں اندر بلایا' بغل گیر ہوئے اور اس طرح توجہ دی کہ قلندر زادہ کا خیال' ان کے عاشقانہ دل سے' بالکل محو ہوگیا۔ اس کی جگہ عشق حقانی اور محبت ربانی نے لے لی۔ شیخ الاسلام نے انہیں اپنے خاص لباس سے نوازا' اپنا مرید کیا' ان کے لیے ایک حجرہ متعین فرما دیا تاکہ وہ لوگوں سے الگ رہ کر ذات حق میں مشغول رہیں۔ جب ان کا کام مکمل ہوگیا تو شیخ الاسلام نے اپنی دختر نیک اختر سے نکاح کر دیا۔ موصوفہ عفت و عصمت میں رابعہ وقت تھیں۔

شیخ الاسلام بہاء الدین رحمتہ اللہ علیہ کا ایک مرید لاہور میں رہتا تھا۔ اسے شیخ زندہ دل سنجانی کہتے تھے۔ عید کا دن تھا۔ وہ لوگوں کے ساتھ عید گاہ گئے۔ نماز پڑھی' نماز کے بعد آسمان کی طرف رخ کیا اور کہا "اے اللہ! آج عید کا دن ہے' لوگ آج' اپنے دوستوں سے عیدی مانگ رہے ہیں' چونکہ میرا تیرے سوا کوئی دوست نہیں' اس لیے میں تجھ سے عیدی کی درخواست کرتا ہوں۔ مجھے اپنے خزانہ سے عیدی عطا فرما"۔

اسی وقت ایک ریشمی کاغذ کا ٹکڑا' سبز تحریر کے ساتھ' آسمان سے نیچے آیا اور آپ کے ہاتھوں میں آگیا۔ اس پر لکھا تھا "ہم نے آتش دوزخ' تیری ذات پر حرام کردی' یہی تیری عیدی ہے"۔ شیخ کا ایک مرید بھی وہاں حاضر تھا۔ جب اس نے یہ کرامت دیکھی تو کہا "آپکو دوزخ کی آگ سے رہائی کہ یہ عیدی حق کی طرف سے عطا ہوئی ہے۔ آپ چونکہ میرے مرشد ہیں' اس لیے آپ بھی مجھے اپنی طرف سے عیدی عطا فرمائیے"۔ خواجہ مسکرائے اور دوزخ سے آزادی کا وہ پروانہ اسے عطا کیا اور فرمایا "میں نے تمہیں یہ عیدی کے طور پر دیا ہے' اب یہ تیری عیدی ہوگی۔ کل قیامت کے دن میں جانوں اور

دوزخ کی آگ۔ جو ہوگا دیکھا جائے گا"۔

سلطان شمس الدین' پہلے سلطان قطب الدین کا غلام تھا۔ شیخ الشیوخ شہاب الدین سہروردی رحمتہ اللہ علیہ نے اسے بادشاہی تخت کی بشارت دی تھی۔ چنانچہ آپ کی دعا سے وہ غلامی کے حلقے سے نکل کر' بادشاہی کے مرتبہ تک پہنچا۔ سلطان قطب الدین نے اسے اپنا ولی عہد بنایا' خلعت سلطنت سے آراستہ کیا۔ چتر سرخ و سیاہ اور وہ خرگاہ خاص' جو اسے سلطان معزالدین سام سے ملی تھی' شمس الدین کو بخش دی۔ اسی طرح شجاعت و دلیری میں ممتاز ترک بھی اس کی کمان میں دیے۔ ان بہادر ترکوں میں سے ایک قباچہ بیگ تھا' جو تیز مزاج تھا۔ اسے شہر ملتان' اوچ اور سندھ کی حکومت پر مامور کیا اور دارالسلطنت دہلی سے الگ کیا۔ جب سلطان قطب الدین کا انتقال ہوگیا' سلطان شمس الدین بادشاہ بنا تو قباچہ بیگ کی حسد کی رگ پھڑکی۔ اس نے فساد کی آگ بھڑکانے کا فیصلہ کیا۔ اس مفسد کے فساد کی خبر شیخ الاسلام بہاء الدین زکریا اور قاضی شرف الدین اصفہانی قاضی ملتان کو پہنچی۔ دونوں بزرگوں نے سلطان شمس الدین کے نام الگ الگ خط لکھے' جس میں قباچہ بیگ کی فساد انگیزی کی اطلاع لکھ کر دہلی روانہ کر دی۔ اتفاق سے دونوں خطوط قباچہ بیگ کے آدمیوں کے ہاتھ لگ گئے۔ پھر وہ خط قباچہ بیگ کو پیش کیے گئے' اس نے دیکھے تو بھڑک اٹھا۔ اس نے ملتان میں ایک مجلس منعقد کی۔ شیخ الاسلام اور قاضی شرف الدین کو بلوایا۔ دونوں خط باہر نکالے' پہلے قاضی کا خط' قاضی صاحب کے حوالے کیا۔ قاضی صاحب نے جب اپنا خط دیکھا تو سمجھ گئے کہ قضا کی تلوار ان کے سر پر پڑنے والی ہے۔ قباچہ بیگ نے جلاد کو حکم دیا کہ پلک جھپکنے میں ان کی گردن اڑا دے۔ پھر شیخ بہاء الدین کا خط' آپ کے حوالے کیا۔ آپ نے اپنا خط دیکھا تو فرمایا "ہاں یہ میرا خط ہے اور جو کچھ میں نے اس

میں لکھا ہے' حق کے اشارے سے حق لکھا ہے اور درست لکھا ہے۔ چونکہ حق کے اشارے سے حق لکھا ہے لہٰذا تو خود کیا کر سکتا ہے؟" قباچہ نے یہ سنا تو شیخ کی کرامت کے رعب سے لرز گیا۔ سر جھکا لیا' خاموش رہا اور معذرت کرنے کے بعد دربار سے رخصت کیا۔

عبداللہ قوال بغداد سے اجودھن حضرت گنج شکر کی خدمت میں آیا اور کچھ عرصہ حاضر خدمت رہا۔ اس کے بعد ملتان جانے کا ارادہ کیا۔ شیخ سے دعا کی درخواست کرتے ہوئے عرض کی "ملتان کا راجہ نہایت پرخوف ہے۔ دعا فرمائیے کہ سلامتی سے پہنچ جاؤں"۔ آپ نے فرمایا "فلاں جگہ تک جہاں حوض ہے' مجھ سے متعلق ہے اور اس کے بعد شیخ الاسلام بہاء الدین کا علاقہ شروع ہو جاتا ہے"۔ عبداللہ قوال چل پڑا۔ حوض تک ٹھیک پہنچ گیا' آگے چلا تو ڈاکو آ گئے اور اسے لوٹنے کا ارادہ کیا۔ عبداللہ کو حضرت شیخ فرید الملت والدین کا قول یاد آ گیا۔ چنانچہ بلند آواز سے کہا "یا شیخ بہاء الدین! میں شیخ فرید الدین کی سرحد تک سلامتی سے پہنچ گیا۔ اب آپ کی پناہ میں ہوں"۔ فوراً ایک سوار نمودار ہوا۔ اس سوار نے ڈاکوؤں کو راستہ سے ہٹا دیا۔ عبداللہ صحیح و سالم ملتان پہنچ گیا۔ ایک دن عبداللہ قوال سرخ مونیہ کی گلیم پہنے شیخ الاسلام کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے فرمایا "سرخ لباس شیطان کا پہناوا ہے۔ یہ نہیں پہننا چاہیے"۔ قوال لوگ چونکہ گستاخ' منہ پھٹ اور زبان دراز ہوتے ہیں' اس لیے اس عبداللہ قوال نے بھی گستاخی کرتے ہوئے کہا "آپ کے پاس تو لامحدود خزانے ہیں' آپ کا ان خزانوں پر قبضہ ہے' ادھر تو آپ کی نظر نہیں جاتی اور میری اس پرانی گدڑی پر آپ طعنہ فرماتے ہیں جو ایک "تنکہ" سے بھی کم قیمت کی ہے"۔ یہ سن کر شیخ بھانپ گئے کہ اس نے دائرۂ ادب سے باہر پاؤں رکھا ہے۔ آپ غصہ ہوئے' فرمایا: "عبداللہ! ہوش کر۔ ادب سے باہر نہ

نکلو۔ حق انسان نہ بھولو۔ یاد کرو کہ فلاں دن حوض کے قریب جب ڈاکوؤں نے تجھے قتل کرنے کا ارادہ کیا تھا اور تو نے باواز بلند مجھے یاد کیا تھا تو میں تیری فریاد کو پہنچا تھا اور تجھے ڈاکوؤں سے بچایا تھا"۔

عبداللہ نے یہ سنا تو بہت شرمندہ ہوا اور گستاخی کی معافی چاہی۔

شیخ صدر الدین کوفی سے منقول ہے کہ میں مولانا نجم الدین کے پاس تفسیر کشاف' عمدہ اور ایجاز پڑھتا تھا۔ ایک دن شیخ الاسلام نے مجھ سے پوچھا "کیا پڑھتے ہو؟" عرض کی "تفسیر کشاف' عمدہ اور ایجاز"۔ فرمایا "کشاف اور ایجاز کو آگ لگاؤ اور عمدہ میں مشغول رہو"۔ میں نے بعد میں یہ بات مولانا نجم الدین کو بتائی تو ان کی طبیعت پر یہ بات سخت گراں گزری۔ رات ہوئی تو میں نے تینوں کتابیں مولانا نجم الدین کے سامنے چراغ کی روشنی میں دیکھیں۔ فارغ ہوا تو تینوں کتابیں اوپر نیچے رکھ دیں' چنانچہ ایجاز و کشاف نیچے تھیں اور عمدہ اوپر تھی۔ میں سو گیا۔ چراغ سے شعلہ بھڑکا جس سے ایجاز اور کشاف جل گئیں اور "عمدہ" اوپر ہونے کے باوجود محفوظ رہی۔ میں جاگا تو دونوں کتابوں کو جلا پایا۔

خواجہ کمال الدین مسعود شیرازی' شیخ الاسلام کے مرید تھے۔ آپ بیش قیمت جواہرات کی تجارت کرتے تھے۔ ایک دفعہ "جزیرہ جرونی" سے "عدن" جانے کے سفر پر بحری جہاز میں تھے۔ ان کے پاس بہت سے بیش بہا جواہرات تھے۔ دوسرے سوداگروں کے پاس بھی قیمتی سامان تھا۔ جہاز جب نصف راہ میں پہنچا تو مخالف ہوا چلی۔ جہاز گرداب میں آگیا۔ مسافروں نے اپنی جان سے ہاتھ دھو لیے اور تضرع و زاری کرنے لگے۔ اس وقت خواجہ کمال الدین نے فریاد کی اور کہا "یا مخدومی بہاء الدین زکریا' امداد کا وقت ہے"۔ امداد کے لیے پکارنے کے ساتھ ہی ایسا ہوا کہ شیخ الاسلام بذات خود کشتی میں

یوں نمودار ہوئے کہ سب کشتی والوں نے آپ کی زیارت کرلی اور آپ کی آمد کی برکت سے طوفانی ہوا رک گئی۔ کشتی طوفان اور گرداب سے نکل گئی اور صحیح رخ پر چل پڑی۔ اس وقت سب اہل کشتی نے اپنے ذمے یہ لیا کہ وہ اپنے مال کا تیسرا حصہ شیخ الاسلام کی نذر کریں گے۔ چنانچہ عدن پہنچے تو شیخ کمال نے آدھا مال اور تمام کشتی والوں نے تیسرا حصہ مال الگ کیا اور شیخ فخرالدین گیلانی کے ہاتھ آپ کی خدمت میں ملتان بھیج دیا۔ ان شیخ فخرالدین گیلانی نے حضرت شیخ الاسلام کو اب تک دیکھا نہ تھا' سوائے اس وقت کے جب آپ امداد کے لیے کشتی پر تشریف لائے تھے۔ جب مال لیے آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو فوراً حضرت کو پہچان لیا۔ آپ کے قدموں پر سر رکھا اور سات لاکھ تنکہ سرخ خدمت عالی میں پیش کیا۔ شیخ نے اسے قبول فرمایا اور اسی دن اللہ کے راستے میں خرچ کر ڈالا۔ جب فخرالدین گیلانی نے یہ سخاوت و کرامت دیکھی تو اپنے سارے مال سے دستبردار ہو گئے۔ حضرت کے مرید بن گئے۔ پانچ سال تک آپ کے پاس رہے اور اپنی تکمیل کی۔ حضرت کی رحلت کے بعد کعبہ کا سفر کیا۔ جدہ پہنچ کر سفر آخرت کے لیے روانہ ہو گئے۔ آپ کا روضہ مبارک جدہ میں ہے۔

شیخ الاسلام نے رمضان المبارک کی ایک رات میں اپنے ساتھیوں سے فرمایا کہ ہمارے وہ کون سے دوست ہیں جو دو رکعت نماز پڑھیں اور ہر ایک رکعت میں ختم قرآن شریف کریں۔ کوئی بھی اس کے لیے تیار نہ ہوا۔ اس وقت آپ خود آگے بڑھے اور پہلی رکعت میں قرآن مجید ختم کیا۔ پھر دوسری رکعت میں قرآن مجید پورا پڑھا بلکہ چار سیپارے مزید پڑھ ڈالے۔

شیخ بہاء الدین سہروردی سے منقول ہے کہ شیخ الاسلام کی عادت تھی کہ نماز تہجد ادا کرنے کے بعد سے 'فجر کی سنت تک' قرآن مجید ختم کر لیتے تھے اور

ختم کے بعد نماز فجر ادا فرماتے۔

ایک دن حضرت شیخ الاسلام اپنی خانقاہ میں تشریف فرما تھے۔ اچانک سر اٹھایا اور کہا "اناللہ وانا الیہ راجعون O شیخ سعد الدین حمویہ' اسی وقت دنیا سے کوچ کر گئے ہیں۔ وہ یکتائی میں اپنا ثانی نہیں رکھتے تھے "۔ اس کے بعد آپ اٹھے اور تصور جنازہ میں' نماز جنازہ ادا فرمائی۔

شیخ الاسلام کے والد اور دادا کے مزارات بھی ملتان میں "پیران تتری" کے مزارات میں موجود ہیں۔ نیز اسی مقام میں آپ کے نبیرہ شیخ رکن الدین ابوالفتح کی والدہ بی بی راستی کا مزار پر انوار واقع ہے۔ شیخ لاسلام کے دادا کے مزار کے سینہ کی جگہ سے ایک درخت پیدا ہوا تھا۔ اس درخت کے ہر پتہ پر "اللہ" کا اسم مبارک لکھا ہوا تھا۔ ایک طویل مدت تک مخلوق خدا نے اس درخت سے بے شمار فائدے اٹھائے۔ بیمار اور مجنون اگر اس درخت کے پتے کھا لیتا' شفا پاتا۔ آخر ایک دن ایک شخص حالت ناپاکی (جنابت) میں درخت کے قریب پہنچا۔ پتے توڑے' کھائے' اسی دن درخت خشک ہو گیا اور پھر اس پر پتے نہ آئے۔

ایک دن شیخ الاسلام اپنے خاص حجرہ میں مشغول تھے۔ آپ کے صاحبزادہ شیخ صدر الدین عارف' حجرہ کے دروازے پر تشریف فرما تھے۔ اچانک ایک شخص ظاہر ہوا اور ایک سربمہر خط آپ کے سپرد کیا اور کہا "یہ مہر والا خط' اپنے مخدوم تک پہنچا دیجئے"۔ شیخ صدر الدین نے خط لیا' پتہ پڑھا تو حیران اور پریشان ہو گئے۔ اسی وقت اپنے پدر بزرگوار کے حجرہ میں گئے۔ حضرت کے دست مبارک میں خط دیا۔ حجرہ سے باہر قدم رکھا تو نامہ بر غائب تھا۔ ادھر شیخ الاسلام نے جب خط دیکھا اور پڑھا تو "اللہ" کہا اور اسی وقت جان' جان آفرین کے حوالہ کی۔ اس وقت آپ کے حجرہ کے چاروں کونوں سے آواز

آئی کہ "دوست، دوست سے مل گیا"۔ شیخ صدر الدین نے جب یہ آواز سنی، واپس حجرہ میں گئے تو دیکھا کہ شیخ الاسلام کی روح پرواز کر چکی ہے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

وفات: حضرت شیخ الاسلام بہاء الدین نے بقول صاحب "اخبار الاولیاء" و "معارج الولایت" اور "مخبر الواصلین" ۶۶۶ھ میں وفات پائی۔ جبکہ صاحب "اخبار سہروردیہ" نے ۵۷۸ھ میں آپ کی ولادت اور ۶۱۱ھ میں آپ کی وفات تحریر کی ہے۔ واللہ اعلم۔

قطعہ

چو از دنیائے فانی شد بفردوس برین آخر	شہ دین دوستدار حق بہاء الدین زکریا
چو سرور جست تاریخ وصالش از دل پر غم	خرد فرمود "یاد حق بہاء الدین زکریا"

شیخ جمال خنداں رو قدس سرہ

آپ شیخ صدر الدین عارف بن شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی کے عظیم خلفاء میں سے ہیں۔ صاحب "معارج الولایت" فرماتے ہیں:

"شیخ بہاء الدین زکریا رحمتہ اللہ علیہ نے اپنی وفات سے پہلے، اپنے صاحبزادے شیخ صدر الدین کو شیخ جمال کے بارے میں وصیت فرمائی تھی کہ اوچ میں ایک صاحب استعداد درویش ہے۔ ابھی تک اس نے کسی درویش سے اپنا تعلق نہیں جوڑا۔ اس کا ہمارے سلسلہ میں مکمل حصہ ہے۔ اگرچہ وہ مجھ تک نہیں پہنچا تاہم میرے کوچ کے بعد، اس کا تمہارے ساتھ تعلق ہوگا، اب وہ جذبہ حق میں مجذوب ہے، جب تمہارے پاس پہنچے تو تم پہلے دن اسے

اپنے پاس نہ آنے دینا۔ چالیس دن تک خلوت میں بٹھا کر تلاوت قرآن کا حکم دینا تاکہ وہ "جذب" کے غلبہ سے "شعور و افاقہ" کی کیفیت میں آجائے۔ اس کے بعد مرید کرنا اور کمال تک پہنچانا۔ حضرت شیخ الشیوخ سہروردی کے خرقہ کے ماسوا جتنے بھی تبرکات ہم سے تمہیں پہنچے ہیں' آدھے اسے دے دینا اور کہنا: نصف لی و نصف لک"۔ چنانچہ حضرت شیخ بہاء الدین کی وفات کے بعد ایسے ہی ہوا۔

وفات: شیخ جمال نے ۶۷۶ھ میں وفات پائی۔

قطعہ

چون جمال از جہاں بہ جنت رفت　　یافت با وصل حق کمال وصال
سال وصلش چو "سرور" از دل جست　　"شد عیان آفتاب حسن و جمال"

شیخ نجیب الدین علی برغش شیرازی قدس سرہ

آپ شیخ الشیوخ شہاب الدین سہروردی کے عظیم خلفاء میں سے ہیں۔ آپ عالم' عارف اور سرچشمہ حقائق و معارف تھے۔ آپ کے والد بہت بڑے تاجر اور مالدار شخص تھے۔ شام سے شیراز آئے' وہیں شادی کی' گھر بسایا۔ ایک رات خواب میں دیکھا کہ امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپ کے سامنے کھانا لائے اور اکٹھے کھایا۔ پھر آپ کو بشارت دی کہ اللہ تعالیٰ تجھے ایک بیٹا عطا کرے گا جو نجیب و صالح ہو گا۔ تم اس کا نام علی رکھنا۔ چنانچہ والدین نے آپ کا نام علی رکھا اور نجیب الدین کا لقب دیا۔ بالغ ہوئے تو آپ ایک جید عالم بنے۔ آپ کو فقیروں سے محبت تھی۔ آپ کے والد جتنے بھی عمدہ لباس آپ کے لیے بنواتے' آپ نہ پہنتے۔ اچھے کھانے پکواتے' مگر آپ نہ کھاتے۔ آپ فرمایا کرتے "میں یہ عورتوں کے کپڑے نہیں پہنوں گا اور نازک مزاجوں والے کھانے نہیں کھاؤں گا"۔ آپ گاڑھے کپڑے پہنتے اور

روکھی سوکھی روٹی کھاتے۔ رات کو اکیلے سوتے۔ ایک رات آپ نے خواب میں دیکھا کہ شیخ کبیر کے روضہ سے ایک پیر باہر آئے' ان کے پیچھے چھ پیر اور آئے۔ پہلے پیر مسکرائے' آپ کا ہاتھ پکڑا اور دوسرے پیروں کے حوالے کر دیا اور کہا "یہ خدا تعالیٰ کی طرف سے آپ کے ہاتھ میں امانت ہے"۔

آپ جاگے تو اپنا خواب' والد کو سنایا۔ انہوں نے کہا "اس خواب کی تعبیر شیخ ابراہیم مجذوب کے سوا کوئی نہیں کر سکتا"۔ چنانچہ ایک شخص شیخ ابراہیم مجذوب کی طرف بھیجا گیا۔ انہوں نے کہا "یہ خواب نجیب الدین علی کا ہی ہو سکتا ہے۔ پہلے پیر شیخ کبیر ہیں اور دوسرے پیر وہ ہیں جنہوں نے یہ سلسلہ آپ سے لیا ہے۔ اور چاہیے کہ دوسرے پیر زندہ ہوں اور نجیب الدین علی ان سے فیض حاصل کریں۔ اب جستجو شرط ہے تاکہ اپنا پیر مل سکے"۔

نجیب الدین نے یہ تعبیر سنی تو اپنے والد سے اجازت لی' اپنے پیر روشن ضمیر کو تلاش کرنے کے لیے حجاز کا عزم کیا۔ بغداد پہنچے تو شیخ الشیوخ شہاب الدین سہروردی کو پہچان لیا اور سمجھ گئے کہ یہی وہ شخص ہیں جن کے ہاتھ میں میرا ہاتھ شیخ کبیر نے دیا تھا۔ شیخ الشیوخ نے بھی آپ کو دیکھا تو خواب کی ساری کیفیت بتلا دی' مرید کر لیا اور چند ہی سالوں میں کمال تک پہنچا دیا۔ خرقہ خلافت عطا کرنے کے بعد' شیراز بھیجا۔ آپ نے شیراز پہنچ کر شادی کی۔ ایک خانقاہ بنائی۔ اب آپ کا کام طالبان حق کی رہنمائی تھا۔

وفات: اس جامع الکرامات ہستی نے ۶۷۸ھ میں وفات پائی۔ آپ کا مزار بغداد میں ہے۔

قطعہ

چون علی از جہان بجنت رفت	سال ترحیل آن علی ولی
ہست قطب ولایت عالیجاہ	ہم بدان شمع حق محب علی

شیخ صدر الدین عارف بن شیخ الاسلام
بہاء الدین زکریا ملتانی قدس سرہ

آپ خواجہ بہاء الدین زکریا کے صاجزادہ' خلیفہ اعظم اور ان کے سجادہ نشین ہیں۔ والد کی وفات کے بعد ان کے جانشین بنے۔ علوم ظاہری و باطنی اور کمالات صوری و معنوی کے جامع تھے۔ سخاوت' شجاعت' حلم اور نیک اخلاق میں اعلیٰ مقام رکھتے تھے۔ اپنے دور کے قطب تھے۔ مقتدائے زمانہ تھے۔

حضرت شیخ بہاء الدین ملتانی کے سات صاجزادے تھے : اول شیخ صدر الدین عارف' دوم شیخ برہان الدین' سوم شیخ ضیاء الدین' چہارم شیخ علاء الدین' پنجم شیخ شہاب الدین' ششم شیخ قدوۃ الدین' ہفتم شیخ شمس الدین رحمتہ اللہ علیہم اجمعین۔

حضرت کی وفات کے بعد جب آپ کا ترکہ' شرعی طور پر تقسیم کیا گیا تو شیخ صدر الدین عارف کو ستر لاکھ تنگہ سرخ نقد ملا۔ اس کے ساتھ برتن' کپڑے' مکان وغیرہ الگ تھے۔ جس دن آپ کا ان چیزوں پر قبضہ ہوا' اسی دن سارا مال اللہ کے راستے میں' اللہ کے بندوں میں بانٹ دیا اور ایک درہم و دینار بھی اپنے پاس نہ رکھا اور سوائے اپنے اور اہل و عیال کے پہنے ہوئے کپڑوں کے' باقی تمام نقد و جنس سے دستبردار ہو گئے۔ ایک شخص نے اس وقت عرض کی "آپ کے والد بزرگوار نے اس قدر روپیہ اور جنس جمع کی کہ خزانے بھر دیئے' وہ اللہ کے راستے میں بھی صرف کرتے تھے۔ ایک آپ ہیں کہ والد کی میراث سے ملنے والے اتنے بڑے سرمائے کو ایک ہی دن میں برباد کر دیا۔ آپ نے ایک خرمہرہ بھی اپنے پاس نہیں رہنے دیا۔ آپ نے اچھا نہیں کیا؟"۔

یہ بات سن کر شیخ ہنسے' فرمایا: "میرے والد گرامی دنیا پر غالب تھے۔ دنیا ان کو دھوکہ نہیں دے سکتی تھی۔ میں ابھی تک اس مقام پر نہیں پہنچا۔ اگرچہ میں کبھی کبھی دنیا پر غالب آجاتا ہوں' تاہم ڈرتا ہوں کہ کہیں دنیا مجھ پر غالب نہ آجائے اور مجھے یاد مولیٰ سے نہ ہٹادے۔ اس لیے میں نے دنیا کو اپنے سے الگ کر دیا ہے تاکہ میں تسلی دل سے' اللہ کی یاد میں مصروف رہوں۔ باقی میرے بھائی' اپنے والد کے خزانے کے لیے کافی ہیں۔ اگر ساتواں حصہ نہیں رہا تو اس سے کچھ فرق نہیں پڑے گا"۔

مخفی نہ رہے کہ احقر غلام سرور' راقم السطور بھی' قطب الاقطاب بہاء الدین زکریا ملتانی کی کمترین اولاد میں سے ہے۔ میرے آبائے کرام کی نسبت چند واسطوں سے شیخ شہاب الدین تک جا پہنچتی ہے جو حضرت کے پانچویں بیٹے تھے۔ مولوی مخدوم المشہور میاں کلان (وڈے میاں) بن شیخ جمعو بن شیخ قطب الدین بن شیخ شہاب الدین نے دار الامان شہر ملتان سے لاہور کی سمت سفر کیا اور پھر لاہور میں قیام فرمایا۔ اب تک حضرت مخدوم کی اولاد میں سے کئی لوگ (جیسے میرے چچا مفتی غلام رسول' میرے بھائی حافظ غلام احمد اور یہ فقیر سراپا تقصیر) اپنی اولاد اور بیٹوں کے ساتھ' لاہور کے محلہ کوٹلی مفتیاں میں (جو ان کا قدیم مسکن ہے) موجود ہیں۔ واللہ الباقی والکل فانی۔

ایک روز شیخ صدر الملت والدین' دریا کے کنارے وضو کر رہے تھے۔ آپ کے سات سالہ بیٹے شیخ رکن الدین ابوالفتح بھی آپ کے ساتھ تھے۔ اچانک صحرا کی طرف سے ہرنوں کا ایک گلہ نمودار ہوا۔ ان میں ایک ہرنی کا بہت خوبصورت بچہ تھا۔ شیخ رکن الدین کی طبیعت اس بچہ کی طرف مائل ہوگئی۔ اسے پکڑنا چاہا مگر اپنے والد کی ڈانٹ کے ڈر سے ہمت نہ کی۔ جب شیخ وضو سے فارغ ہو کر دریا کے کنارے بیٹھے' رکن الدین کو بھی اپنے پاس بٹھالیا

اور قرآن شریف سکھانے لگے۔ حضرت کی ہر روز کی عادت تھی کہ اپنے صاجزادے کو دریا کے کنارے لے جاتے اور قرآن شریف کا ایک سیپارہ چار مرتبہ حفظ کراتے۔ اس روز آپ نے آٹھ بار پڑھوایا مگر حفظ نہ ہوا۔ شیخ نے صورت حال پوچھی تو حاضرین نے عرض کی کہ آج ایک ہرنی کا بچہ دوسری ہرنیوں کے ساتھ اس راستہ سے گزرا ہے۔ برخوردار' دیر تک' اس کی طرف متوجہ رہے ہیں۔ ہو سکتا ہے آپ کی توجہ مبارک ابھی تک ادھر ہی ہو۔ شیخ نے اب اپنے فرزند دل بند سے فرمایا "بابا بتاؤ کہ ہرن کس طرف کو گئے ہیں؟" عرض کی "دریا سے مغرب کی جانب گئے ہیں۔ میں نے انہیں جاتے دیکھا ہے۔ ان کے ساتھ ایک خوبصورت بچہ تھا"۔ حضرت شیخ زمانی نے توجہ فرمائی۔ اس کے بعد سر اٹھایا تو لوگوں نے دیکھا کہ ہرنی اپنے بچے کے ساتھ صحرا کی طرف سے دوڑتی چلی آ رہی ہے۔ وہ شیخ کے سامنے آکر کھڑی ہو گئی۔ شیخ رکن الدین نے بچے کو اپنی گود میں اٹھا لیا۔ اب ان کے دل نے تسلی پائی۔ اب انہوں نے اسی دن کلام اللہ کے دو سیپارے حفظ کیے۔ بچہ اور ہرنی دونوں کو اپنے ساتھ خانقاہ لے گئے۔

صاحب تاریخ فرشتہ فرماتے ہیں: سلطان غیاث الدین بلبن نے اپنے بڑے بیٹے محمد شاہ کو ملتان کی حکومت سونپی۔ ملتان' اوچ اور سندھ کا سارا علاقہ اسے بطور جاگیر عطا کر دیا۔ محمد شاہ نے ملتان میں آکر حکومت کرنی شروع کر دی۔ اس کی بیگم' سلطان رکن الدین بن سلطان شمس الدین التمش کی صاجزادی تھی۔ وہ حسن و جمال میں اپنے زمانے میں بے مثال تھی۔ ایک دن محمد شاہ شراب کے نشہ میں سرشار تھا' میاں بیوی میں تکرار ہوئی تو اس نے تین طلاقیں دے کر اسے اپنے اوپر حرام کر لیا۔ جب نشہ اترا تو وہ اپنے کیے پر پچھتایا۔ بیوی کی علیحدگی پر اس کے لیے کھانا پینا اور سونا حرام ہو گیا۔ اس لیے

کہ اس کی یہ بیوی حسن و جمال میں اپنا ثانی نہیں رکھتی تھی۔ اس نے قاضی اور علماء کو فتویٰ کے لیے بلایا۔ سب نے باتفاق فتویٰ دیا کہ اس کے سوا کوئی چارہ نہیں کہ آپ کی بیوی کا کسی اور سے نکاح ہو' اس کے ساتھ خلوت واقع ہو' پھر وہ شخص اپنی مرضی سے اپنی بیوی کو طلاق دے۔ اس عمل سے گزرے بغیر آپ کا مطلقہ سے نکاح ثانی اور ہم بستری ممکن نہیں۔

قاضی ملتان قاضی اثیرالدین نے جب اس لاعلاج مرض کا کوئی علاج نہ دیکھا تو بادشاہ زادہ کی خدمت میں عرض کی کہ شیخ صدرالدین زہد و تقویٰ و امانت میں یگانہ روزگار ہیں۔ اگر حکم ہو تو ہم خفیہ طور پر آپ کی مطلقہ کا ان سے نکاح کر دیں' پھر ان سے طلاق لے کر' انہیں جدا کر دیں تاکہ وہ آپ کے لیے حلال ہو جائیں۔ محمد شاہ نے طوعاً" و کرہاً" یہ بات منظور کی۔ قاضی اثیر الدین نے اس عفیفہ کا لوگوں کے علم میں لائے بغیر شیخ سے نکاح کر دیا اور منکوحہ حضرت کے سپرد کر دی۔ اگلے روز آپ کو زحمت دی کہ طلاق دے دیں۔ جب اس پاکدامن عورت کو اس بات کا پتہ چلا تو وہ شیخ کے قدموں پر گر پڑی' منت سماجت کی اور عرض کی "خدا کے لیے اب مجھے اس ظالم کے حوالے نہ کرنا۔ اب میں چونکہ آپ کی کنیز بن چکی ہوں' لہٰذا اب مجھے منظور نہیں کہ میں اس کا ناپاک منہ دیکھوں"۔ ادھر حضرت کو بھی اس پاکدامن سے جدائی پسند نہ تھی' اس لیے آپ نے اسے چھوڑنا گوارا نہ کیا اور طلاق دینے سے مکمل انکار کر دیا۔ قاضی اثیرالدین' یہ بات سن کر' محمد شاہ کی سزا سے اس قدر ڈرے کہ قریب تھا کہ ان کی روح پرواز کر جاتی۔ مجبوراً محمد شاہ تک پہنچے۔ پہلے تو اس بہانے بادشاہ نے قاضی صاحب کو قتل کرنا چاہا' پھر سوچا کہ قاضی کا خون بہانا ناحق ہے' اس لیے کہ عورت شیخ صدرالدین کے پاس ہے' اس کا علاج کرنا چاہیے۔ اس نے فوج کے افسروں کو بلایا اور حکم دیا کہ صبح

سویرے دس ہزار مسلح سوار دارالریاست کے صدر دروازے پر حاضر ہوں۔ اب اس نے قسم اٹھائی کہ جب تک صدرالدین کے خون سے تلوار رنگین نہیں کرے گا' کھائے گا نہ پئے گا۔ اس وجہ سے ملتان میں قیامت سی برپا ہونے لگی مگر شیخ تھے کہ اپنے فیصلہ پر قائم تھے۔ آپ کے دل پر ذرا برابر رعب و خوف نہ تھا۔ اچانک رات کو اطلاع ملی بیس ہزار سوار جرار خونخوار مغل کفار' کابل و قندھار کے راستے سے' ملتان فتح کرنے کے لیے آ رہے ہیں۔ محمد شاہ نے منادی کر دی کہ علی الصبح تمام سپاہ و رعایا شہر' تیار ہو کر' میرے ہمراہ چلیں تاکہ دشمن کو مار بھگایا جائے۔ پہلے ہم دشمن کا صفایا کریں گے' بعد میں شیخ کا کام تمام کریں گے۔

اگلے دن جب چاشت کا وقت ہوا' دونوں فوجوں میں جنگ ہوئی۔ ظہر کی نماز کے وقت تک دونوں فوجیں باہم لڑائی کرتی رہیں۔ آخر مغلوں کی صفیں متفرق ہوئیں' شکست کھائی۔ محمد شاہ کے لشکر نے ان کا تعاقب شروع کیا اور ان کو مارنے اور لوٹنے لگا۔ اس افراتفری میں محمد شاہ کے پاس صرف پانچ سو آدمی رہ گئے۔ محمد شاہ انہیں ساتھ لیے ایک حوض پر اترا۔ نماز میں مشغول ہوا۔ اسی اثناء میں ایک مغل کمانڈر نے (جو دو ہزار سواروں کے ساتھ ایک کمین گاہ میں چھپا تھا) محمد شاہ پر حملہ کر دیا۔ محمد شاہ تو نماز ادا کر رہا تھا۔ محمد شاہ نے نماز سے فارغ ہو کر' اسی معمولی مقدار کی سپاہ کے ساتھ ان سے لڑائی شروع کر دی۔ آخر' فرار ہونے کے لیے تیار ہوا مگر اب بھاگنا ممکن نہ تھا۔ اپنے ساتھیوں کے ساتھ لڑتا ہوا شہید ہو گیا۔ ادھر مغل لشکر بھی گرمی کی تاب نہ لا سکا کہ اب ملتان فتح کر سکے۔ آخر ان لوگوں نے اپنے وطن کی طرف لوٹنا مناسب سمجھا۔ محمد شاہ کی شہادت کے بعد وہ عفیفہ' اطمینان سے شیخ کے گھر میں رہی۔

وفات: شیخ صدر الدین نے بقول صاحب "تواریخ فرشتہ" و "معارج الولایت" ۲۳ ذی الحجہ ۶۸۴ھ میں وفات پائی۔ آپ کا مزار پر انوار' ملتان میں' اپنے والد بزرگوار کے مزار کے ساتھ ہے۔

قطعہ

شیخ صدر الدین ولی دو جہان شد چو از دنیا بجنت جانشین
"اہل رحمت" سال وصلش شد رقم ہم "امین الدین ولی العارفین"
۶۸۴ھ

شیخ حسام الدین بداولی قدس سرہ

آپ شیخ صدر الدین کے مرید اور خلیفہ ہیں۔ آپ کو "شیخ قاضی جمال" بھی کہا جاتا تھا۔ ایک دن آپ شیخ بہاء الدین کے روضہ مقدسہ کی زیارت کے لیے گئے ہوئے تھے۔ وہاں آپ کے دل میں یہ خیال آیا کہ اگر شیخ صدر الدین' اس روضہ کے اندر مجھے بھی قبر کے لیے جگہ عطا فرما دیں تو کتنا اچھا ہو۔ شیخ صدر الدین نے نور باطن سے آپ کے قلبی خیال پر مطلع ہو کر فرمایا "آپ کو یہاں زمین دینے میں کوئی حرج نہیں ہے مگر حضرت سرور کائنات علیہ السلام والصلاۃ نے تمہارے لیے مقبرہ کے لیے بداؤں کے نواح میں زمین پاک تجویز فرمائی ہے لہذا تمہاری قبر وہاں پر ہوگی۔ آخر شیخ حسام الدین وہیں تشریف لے گئے۔ ایک رات خواب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک جگہ بیٹھ کر وضو فرما رہے ہیں۔ صبح ہوئی تو سویرے ہی ننگے پاؤں' وہاں تشریف لے گئے۔ دیکھا کہ فی الحقیقت زمین گیلی ہے۔ وہاں نشان لگا دیا۔ اپنے خادموں سے فرمایا کہ مجھے انتقال کے بعد یہاں پر دفن کرنا۔

وفات: آپ نے ۶۸۷ھ میں وفات پائی۔

قطعہ

چوں حسام الدین شہ وار زمان رفت از دنیا بفردوس برین
"نیر اکبر حسام الدین نجوان" رحلتش "بدر تمام" آمد ذکر
۶۸۷ھ ۶۸۷ھ

شیخ فخرالدین عراقی قدس سرہ

آپ شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی کے عظیم خلیفہ ہیں۔ آپ کا شمار مشہور ترین متقدمین شعراء میں ہوتا ہے۔ "کتاب لمعات" اور "دیوان عراقی" آپ کی مشہور ترین کتابیں ہیں۔ اصل میں آپ "ہمدان" کے نواح کے رہنے والے تھے۔ آپ رشتہ میں شیخ الشیوخ شہاب الدین کے بھانجے تھے۔

بچپن میں قرآن مجید حفظ کیا۔ بہت اچھا پڑھاتے تھے۔ چنانچہ تمام اہل ہمدان آپ کی آواز پر شیفتہ تھے۔ آپ نے تھوڑی عمر میں ہی علوم کی تحصیل مکمل کرلی۔ آپ سترہ سال کی عمر میں "ہمدان" میں درس دینے لگے۔ آخر ایک قلندر لڑکے کے عشق میں ملتان آپہنچے۔ یہاں شیخ الاسلام شیخ بہاء الدین کی فرزندی و عزت سے سرفراز ہوئے اور آپ کے مرید ہونے کا شرف حاصل کیا۔ ہم شیخ الاسلام کے تذکرہ میں اس کی تفصیل بتا چکے ہیں۔ شیخ الاسلام کی صاحبزادی کے بطن سے ان کے ایک بیٹے کبیرالدین محمد پیدا ہوئے۔

فخرالدین بیس سال تک اپنے شیخ کی خدمت میں رہے' خرقہ خلافت پایا۔ شیخ الاسلام کی رحلت کے بعد' خانقاہ کے درویش آپ کے خلاف ہوگئے۔ انہوں نے حاکم وقت سے شکایت کی کہ اس شخص کی عجیب حالت ہے۔ یہ ہمیشہ شعر گوئی میں لگا رہتا ہے۔ خوبصورت لوگوں کے ساتھ بیٹھتا ہے۔ فخرالدین حاسدوں کے ہاتھوں تنگ آگئے اور ملتان سے' حجاز کا ارادہ کیا۔ حج کیا' روضہ مقدسہ کی زیارت کی پھر روم گئے' وہاں شیخ صدرالدین رومی کی صحبت حاصل کی۔ ان سے نعمتیں ملیں۔ آپ نے "کتاب لمعات" تصنیف کی۔ جب کتاب

مکمل ہو گئی تو آپ نے شیخ صدر الدین کی خدمت میں پیش کی۔ شیخ نے اسے پسند فرمایا اور شاباش دی۔

امرائے روم میں سے ایک امیر معین الدین آپ کا مرید ہو گیا۔ اس معتقد نے آپ کے لیے ایک خانقاہ بنوائی۔ وہ ہر روز آپ کے پاس آیا کرتا تھا۔ ایک دن معین الدین آپ کی خدمت میں حاضر تھا۔ حسن نامی ایک سادہ رو قوال' جو حسن و محبوبی اور لحن داؤدی میں اپنی نظیر نہ رکھتا تھا' معین الدین کے پاس تھا۔ شیخ اسے چاہتے تھے اور اپنے پاس رکھتے تھے۔ حاسدوں نے مخالفت کی اور شیخ کے خلاف کئی باتیں بنائیں۔ چونکہ آپ پاکباز تھے' اس لیے آپ کو کچھ غم نہ تھا۔ آخر معین الدین نے وفات پائی۔ شیخ نے روم سے مصر کا قصد کیا۔ وہاں مصر کا بادشاہ بھی آپ کا مرید اور معتقد ہو گیا اور آپ کو مصر کا شیخ الشیوخ بنا دیا۔ آپ چند سال مصر میں رہے۔ اس کے بعد شام کا رخ کیا۔ سلطان مصر نے شام کے ملک الامراء کو لکھ بھیجا کہ جملہ علماء و اکابر اور مشائخ کے ساتھ آپ کا استقبال کریں۔ چنانچہ سب لوگ استقبال کے لیے آئے۔ ملک الامراء کا ایک خوبصورت بیٹا تھا۔ شیخ نے جب اس کا چہرہ دیکھا تو بے اختیار' سر اس کے قدموں پر رکھ دیا۔ لڑکے نے بھی حضرت کے قدموں پر سر رکھا۔ ملک الامراء نے بھی اپنے بیٹے کا ساتھ دیا۔ اس وجہ سے اہل دمشق شیخ کی طرف سے کچھ منکر ہو گئے مگر بولنے کی ہمت نہ تھی۔ چھ ماہ بعد آپ کے بڑے صاحبزادے کبیر الدین ملتان سے دمشق آئے۔ آپ ایک عرصہ تک اپنے بیٹے کے ساتھ رہے۔ بعد میں شیخ بیمار ہوئے۔ روز وفات آپ نے اپنے بیٹے کو مریدوں سمیت اپنے قریب بلوایا۔ سب کو الوداع کیا۔ ۸ ذی قعدہ ۶۸۸ھ میں دنیا سے کوچ فرمایا۔ شیخ محی الدین ابن العربی کے مزار کے پیچھے دفن ہوئے۔

شیخ کبیر الدین خلف فخر الدین بھی شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی کے مرید اور خلیفہ تھے۔ آپ کے نانا زندہ تھے' اس لیے دمشق میں ان کے پاس پہنچے۔ وہیں سکونت اختیار کی اور ۷۰۰ھ میں وہیں انتقال کیا۔

قطعہ تاریخ وفات شیخ فخر الدین از مولف

عراقی چون ز دنیا رخت بر بست | بلال دہر گفت ھذا فراقی
بتاریخ وصالش "محترم گو" | دگر "سلطان ولی عالی عراقی"

۶۸۸ھ ۶۸۸ھ

قطعہ تاریخ وفات شیخ کبیر الدین بن فخر الدین قدس سرہ

چون کبیر الدین کبیر الاولیاء | رفت از دنیا بجنی در زہد عشق
سال تر حیلش چو جستم از خرد | گشت "روشن از خرد نور دمشق"

۷۰۰ھ

شیخ حسن افغان قدس سرہ

آپ شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی کے مرید کامل اور مقبول خلیفہ تھے۔ زہد و عبادت سے ذوق و شوق اور عشق و محبت میں اپنا ثانی نہیں رکھتے تھے۔ تاہم آپ علوم ظاہری میں بالکل ناخواندہ تھے۔ مگر علوم باطنی میں یوں معلوم ہوتا تھا گویا تمام لوح محفوظ آپ کے سینہ پر لکھ دی گئی ہے۔ لوگ آپ کا امتحان لینے کے لیے ایک کاغذ پر تین سطریں لکھتے۔ ایک سطر میں قرآن کی آیت' دوسری سطر میں حدیث اور ایک سطر میں قول مشائخ۔ یہ کاغذ آپ کے سامنے رکھا جاتا کہ بتائیے ان سطر میں کیا لکھا ہے؟ آپ ایک سطر پر ہاتھ رکھتے اور کہتے یہ قرآن کی آیت ہے۔ پھر حدیث والی سطر پر ہاتھ رکھ کر کہتے یہ حدیث ہے' اسی طرح قول مشائخ پر انگلی رکھ دیتے۔ لوگ حیران ہو کر پوچھتے کہ آپ تو امی محض ہیں' آپ کو یہ کیسے پتہ چلا؟ آپ فرماتے: "میری پہچان کا سبب یہ ہے کہ

میں دیکھتا ہوں ایک سطر سے نور نکل کر لامکان تک محیط ہو گیا ہے' تو میں سمجھ جاتا ہوں کہ یہ قرآن شریف کی آیت ہے۔ ایک سطر سے نور نکل کر ساتویں آسمان تک پہنچ رہا ہے تو یہ حدیث ہے۔ قول مشائخ والی سطر سے نور نکل کر زمین سے آسمان تک پھیل جاتا ہے"۔

شیخ بہاء الدین زکریا اکثر آپ کے بارے میں فرمایا کرتے تھے: "جب روز حشر و نشر اللہ تعالیٰ مجھ سے پوچھے گا کہ اے زکریا! ہمارے حضور کیا تحفہ لائے ہو؟ میں عرض کروں گا: آپ کے حضور حسن افغان کی مشغولی و عبادت لایا ہوں"۔

جب حسن افغان' ملتان سے دہلی تشریف لے جا رہے تھے تو آپ نے راستے میں دیکھا کہ سرراہ ایک مسجد تعمیر ہو رہی ہے۔ بڑے بڑے علماء وہاں موجود ہیں۔ قبلہ کے درست ہونے کے بارے میں باہم جھگڑ رہے ہیں۔ کچھ لوگ دائیں بائیں طرف اور کچھ حضرات ذرا بائیں جانب نشاندہی کر رہے ہیں۔ آپ بھی وہاں کچھ دیر کے لیے کھڑے ہو گئے۔ آپ نے قبلہ کی طرف رخ کیا اور فرمایا "جس طرف میرا منہ ہے' اسی طرف محراب کی بنیاد رکھو"۔ کچھ علماء نے آپ کی بات نہ مانی اور فضول اعتراض کیے۔ آخر حسن نے انگشت شہادت سے قبلہ کی طرف منہ کیا اور فرمایا "اگر میرے قول پر اعتماد نہیں ہے تو اپنی آنکھوں سے دیکھ لو کہ قبلہ کس طرف ہے"۔ جب لوگوں نے دیکھا تو ظاہری آنکھ سے کعبتہ اللہ کی زیارت کر لی۔ آپ کے معتقد ہوئے اور آپ کے قدموں پر سر رکھ دیا۔

ایک روز حسن افغان نے مسجد میں نماز باجماعت ادا کی۔ امام کے دل میں بڑے بڑے خیالات گزرے تھے' جنہیں آپ نے باطن کی صفائی کے صدقے بھانپ لیا۔ نماز سے فارغ ہونے کے بعد آپ نے امام کا ہاتھ پکڑا' مسجد کے

ایک کونے میں لے گئے اور کہا "جناب! آپ اس نماز میں امام تھے۔ آپ دہلی سے ہندوستان گئے' وہاں سے چادریں خریدیں' انہیں ملتان لائے' وہاں سے عرب گئے' وہاں چادریں بیچیں' بہت سا نفع اٹھایا۔ ادھر بے چارہ حسن آپ کے پیچھے ہاتھ باندھے ننگے پاؤں پھرتا رہا۔ آپ پوری نماز میں یوں ہی سرگرداں و حیران رہے۔ میں ایسی نماز کو کیسی نماز کہوں؟ کہ دل کام میں رہا اور جسم خدا کے حضور رہا"۔

غرض کہ حسن افغان سے کئی خوارق اور بہت سے کشف و کرامت ظہور پذیر ہوئے جن کی تفصیل کتب سیر میں مفصلا" موجود ہے۔

وفات: آپ ۶۸۹ھ میں فوت ہوئے۔ آپ کا مزار ملتان میں آپ کے مرشد گرامی کے روضہ کے نیچے بلند تر جگہ پر واقع ہے۔

قطعہ

چوں حسن از جہاں بہ جنت رفت سال ترحیل آں شہ والا
حسن متقی طیب گو "عاشق زندہ دل حسن فرما"
۶۸۹ھ ۶۸۹ھ

سید جلال الدین منیر شاہ میر سرخ بخاری قدس سرہ

آپ شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی کے عظیم خلیفہ ہیں۔ صحیح النسب بخاری سید تھے۔ ہندوستان میں آپ کا سلسلہ نسب صحیح النسب بخاری سادات میں سے ایک شخصیت سے جا ملتا ہے۔ آنجناب کا نسب مبارک ۹ واسطوں سے امام محمد نقی رضی اللہ تعالیٰ عنہ تک جا پہنچتا ہے۔ اس طرح کہ حضرت سید جلال الدین میر سرخ بخاری بن سید ابوالموید علی بن سید جعفر بن سید محمد بن سید محمود بن سید احمد بن سید احمد بن سید عبداللہ بن سید علی اصغر بن سید جعفر ثانی بن امام ذوالاکرم محمد تقی رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

سید علی اصغر آپ کے جد ہفتم کے دو بیٹے تھے۔ ایک سید عبداللہ' دوسرے سید اسماعیل۔ یہ دونوں بزرگ اور سید عبداللہ کے سب اجداد بخاری سادات ہیں۔ سید اسماعیل' بھاکری سادات کے جد اعلیٰ ہیں' چنانچہ سادات بخاری اور سادات بھاکری انہی دو بزرگوں کی اولاد ہیں۔ سید جلال الدین کا لقب شیر شاہ تھا۔ آپ کے بہت سے خطاب تھے' جیسے میر سرخ' شریف اللہ' ابوالبرکات' ابو احمد' میر بزرگ مخدوم اعظم' جلال اکبر' عظیم اللہ۔ آپ کی والدہ' سلطان محمود بادشاہ توران کی صاحبزادی تھیں۔

صاحب مظہر جلالی' مخدوم بہاء الدین زکریا ملتانی کے ملفوظات سے نقل کرتے ہیں کہ سید جلال الدین بخاری' مادر زاد ولی تھے۔ ایک دن آپ نابالغی کی عمر میں اپنے ہم عمر لڑکوں کے ساتھ کھیل رہے تھے۔ اسی حالت میں شہر سے باہر آئے۔ شہر کے باہر بہت سے لوگ ایک میت کی نماز جنازہ ادا کر رہے تھے--- آپ ان کے پاس آئے' پوچھا "یہ جو چارپائی پر ہے' اسے کیا ہوا؟" عرض کیا "فلاں آدمی مر گیا ہے اور یہ بھیڑ اس کا جنازہ پڑھنے کے لیے ہے"۔ پوچھا "نماز کے بعد کیا کریں گے؟" وہ بولے "زمین میں دفن کر دیں گے"۔ جب یہ سنا تو حضرت سید کانپ اٹھے۔ "اللہ اکبر" کا نعرہ لگایا' مردہ کے سرہانے گئے اور فرمایا "قم باذن اللہ" وہ فوراً زندہ ہو گیا۔ اپنے پاؤں پر کھڑا ہو گیا اور چل پڑا۔ وہ شخص مزید چالیس سال زندہ رہا۔ جب یہ خبر آپ کے والد سید ابوالموید کو پہنچی تو آپ نے اس کرامت کے ظہور پر انہیں ملامت کی اور کہا "آئندہ اس قسم کی حرکات کا مرتکب نہ ہونا کہ اس سے شریعت غرا میں رخنہ پیدا ہوتا ہے"۔ عرض کی "اگر آپ کی ممانعت نہ ہوتی تو بخارا میں کوئی شخص نہ مرتا اور اگر مرتا تو زندہ ہو جاتا"۔

"مظہر جلالی" سے منقول ہے کہ جب سید جلال الدین نے بخارا سے سفر کا

ارادہ کیا تو پہلے نجف اشرف تشریف لے گئے۔ حضرت شیر خدا علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کی مرقد سے فیوض باطنی حاصل کرنے کے بعد مدینہ منورہ پہنچے اور روضہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی۔ وہاں سے شام گئے اور حضرت سلیمان علیہ السلام کے مقبرہ کے تابوت کے مجاور رہے۔ وہاں سے واپس مدینہ آئے۔ مدینہ منورہ کے سادات کرام نے آپ کے سید ہونے کا انکار کیا اور صحیح النسب سید ہونے کی سند طلب کی۔ بہت جھگڑا ہوا۔ آخر فیصلہ یہ ہوا کہ اس سلسلہ میں سید الابرار صلی اللہ علیہ وسلم کے مزار پر انوار پر جاکر استفسار کیا جائے' چنانچہ سید جلال الدین' سادات عظام مدینہ کے ساتھ روضہ عالیہ پر حاضر ہوئے۔ آپ نے عرض کی "السلام علیک یا والدی"۔ روضہ کے اندر سے آواز آئی "یا ولدی قرۃ عینی و سراج کل امتی انت منی و عن اہل بیتی"۔ یہ آواز سن کر تمام سادات نے آپ کی شرافت کی گواہی دی۔ آپ کی بے حد تعظیم و توقیر کی۔

اس کے بعد آپ مکہ آئے۔ حج کیا۔ اب آپ دنیا کی سیر کے لیے نکل کھڑے ہوئے۔ ہزاروں لوگوں کو ہادی حقیقی سے ملایا۔ جھنگ سیالوں کے شہر میں' جو پنجاب میں مشہور و معروف ہے' فروکش ہوئے۔

صاحب مظہر جلالی فرماتے ہیں: ایک دن سید جلال الدین بخاری اپنے حجرہ شریف میں' تشریف فرما نہ تھے۔ حجرہ کا دروازہ بھی بند تھا مگر حجرہ کے اندر سے ذکر نفی و اثبات کی آواز آ رہی تھی جسے حاضرین مسجد سن رہے تھے۔ حاضرین نے آپ کے خلیفہ شیخ عارف سے پوچھا "یا حضرت! حضرت سید کی عدم موجودگی کے باوجود حجرہ کے اندر وہ کون ہے جس کی آواز ہم سن رہے ہیں؟" فرمایا "یہ حضرت سید کا کاسہ آبنوشی ہے جو ہمیشہ ذاکر رہتا ہے"۔

شیخ جمال الدین محدث اوچی کے ملفوظ میں تحریر ہے: ایک درویش' تغلق

نام، قوم افغان تھا۔ اسے ظاہری و باطنی تصرف حاصل تھا۔ وہ ملک سندھ سے خطہ اوچ میں آیا۔ راستے میں وہ جس درویش کو دیکھتا، اس کی ولایت سلب کر لیتا۔ اوچ آیا تو اس نے ایک خادم کو حضرت سید جلال الدین اعظم کو بلانے کے لیے بھیجا۔ خادم جب مسجد میں پہنچا تو دیکھا کہ حضرت سید حجرہ میں مشغول تجی ہیں۔ رعب و دہشت اس قدر تھا کہ وہ آپ کے حال کا ملتفت نہ ہو سکا۔ واپس شیخ تغلق کے پاس گیا اور حالت بیان کی۔ وہ شیخ خود سوار ہو کر، مسجد کے دروازہ پر آیا۔ اس نے تصرف کرنا چاہا مگر ایسا نہ کر سکا۔ آخر بول اٹھا "یہ سید کامل و اکمل ہے مگر افسوس کہ شادی شدہ ہے، اس کی بہت سی اولاد ہو گی، حتیٰ کہ ایک عالم اس کی اولاد سے بھر جائے گا۔ ان میں بہت سے گنہگار اور سیہ کار بھی ہوں گے۔ اگر یہ شادی شدہ نہ ہوتا تو کتنا اچھا ہوتا"۔ اچانک یہ آواز سید کے کان تک بھی جا پہنچی۔ حضرت جلال کی آتش جلال جوش میں آ گئی۔ بے اختیار حجرہ سے باہر آئے، اس درویش کو نظر جلال سے دیکھا، فوراً اس کی فطرت میں آگ ڈال دی۔ وہ جل گیا اور اسی وقت جان، جان آفرین کے سپرد کر دی۔ جب اسے دفن کیا گیا تو زمین نے اسے قبول نہ کیا اور باہر ڈال دیا۔ غرضیکہ سات دن تک اس سوختہ آتش جلال کی نعش، قبر کے باہر پڑی رہی۔ جب یہ حالت ہو گئی تو شیخ جمال الدین نے اس درویش کے بارے میں شفاعت کی اور آنحضرت کے حسب الارشاد اسے زمین میں دفن کر دیا گیا۔

صاحب "اخبار الاخبار" فرماتے ہیں: جب سید جلال الدین سرخ بخاری، بھکر شہر میں تشریف لے گئے تو آپ نے سید بدر الدین بھاکری کی صاحبزادی سے نکاح کرنا چاہا۔ اس بارے میں سلسلہ جنبانی کی، تو ان حضرات نے آپ سے شرافت و سیادت کی سند طلب کی۔ فرمایا "آج رات ثابت ہو جائے گا"۔ چنانچہ اسی رات سید بدر الدین نے شاہ رسالت علیہ الصلاۃ والتحیت کو خواب

میں دیکھا کہ فرماتے ہیں:

"بیٹا! جلال الدین بخاری ہمارے بیٹوں میں سے ہے۔ اپنی بیٹی کا نکاح اس سے کردو اور اس بارے میں شک نہ کرو"۔ چنانچہ سید بدر الدین نے اپنی صاحبزادی' آپ کے نکاح میں دے دی۔ حضرت سید کچھ عرصہ وہاں رہے' آخر حسد و نزاع کی وجہ سے وہاں سے نکلے اور ملتان پہنچے۔ شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی کے دربار سے فیض حاصل کرنے کے بعد اوچ تشریف لائے۔ مقیم ہوئے' وہیں آپ اولاد صوری و معنوی سے مالا مال ہوئے۔ برکات کثیر کے دروازے آپ پر کھلے۔

اگرچہ مشہور یہ ہے کہ حضرت سید جلال الدین سرخ کے تین فرزند تھے مگر درست یہ ہے کہ آپ کے پانچ فرزند تھے۔

اول سید علی۔ دوم سید جعفر' بخارا کے بادشاہ کے نواسے تھے۔ انہیں آپ نے بخارا بھیجا۔ سید جعفر تو بخارا میں ہی رہے' وہیں سکونت اختیار کی اور واپس ہندوستان نہ آئے۔ سوم سید احمد کبیر' یہ سید بدر الدین بھاکری کی صاحبزادی بی بی فاطمہ کے بطن سے تھے۔ چہارم سید صدر الدین محمد غوث۔ پنجم سید بہاء الدین احمد' آپ محمد معصوم کے نام سے مشہور تھے اور بی بی ظہرہ سیدہ کے بطن سے تھے۔ یہ پانچوں فرزند' اسلام کے پانچ ارکان کی طرح سے ولایت و شرافت اور خوارق میں مشہور تھے۔

ولادت: حضرت سید جلال الدین کی ولادت باقوال صحیح ۵۹۵ھ میں ہوئی۔

وفات: آپ کی وفات ۱۹ جمادی الاول سال ۶۹۰ھ میں ہوئی۔ آپ کی عمر شریف ۹۵ سال تھی۔ آپ کا مزار پر انوار اوچ شریف میں ہے' رحمتہ اللہ علیہ۔

قطعہ تاریخ ولادت از مولف

شیخ ذی رتبہ بادشاہ کمال شاہ دنیا و دین جلال الدین
آفتاب جلال والا جاہ سال تولید او نجوان و بہ بیں
۵۹۵ھ

قطعہ تاریخ وفات

نیز عاشق جلال والی جود ہم نجوان "آفتاب والی دین"
۶۹۰ھ
"متقی و سلیم" وملش گو نیز دان "آفتاب اہل یقین"
۶۹۰ھ ۶۹۰ھ

شیخ مصلح الدین المتخلص بہ سعدی شیرازی قدس سرہ

آپ شیرازی ہیں۔ نامور شاعر، عظیم القدر فصیح اور بہت بڑے فاضل۔ آپ شیخ عبداللہ بن خفیف کے بقعہ شریفہ کے مجاور تھے۔ علوم ظاہری و باطنی میں کمال حاصل تھا۔ آپ کی تصانیف کریما، بوستان، گلستان اور دیوان سعدی وغیرہ مقبول خاص و عام ہیں۔ کسی کو ان پر تنقید کا یارا نہیں۔

آپ نے بہت سے سفر کیے۔ کئی ملکوں کی سیر کی۔ پیدل حج کے لیے گئے۔ ہندوستان میں، سومنات آئے تو اپنے آپ کو کفار کے بھیس میں بدل لیا۔ کچھ عرصے سومنات کے مندر میں رہ کر اپنا اعتبار قائم کروالیا۔ آخر سومنات کے بت کو (جسے سلطان محمود غزنوی انار اللہ برہانہ کی بت شکنی کے بعد ہندوؤں نے عاج (ہاتھی دانت) سے بنایا تھا) توڑ ڈالا۔ یہ بت صبح سویرے لوگوں کے پوجا کے لیے اجتماع میں دعا کے لیے ہاتھ اوپر اٹھاتا تھا۔ اصل میں ایک شخص کے ہاتھ میں دونوں ہاتھوں کی رسیاں تھیں۔ آپ نے اس شخص کو مار ڈالا۔ چنانچہ آپ نے یہ قصہ بوستان میں تفصیل سے بیان کیا ہے۔

شیخ سعدی نے بہت سے مشائخ عظام سے فائدے اٹھائے۔ آپ اصل

میں، شیخ الشیوخ شہاب الدین سہروردی کے مرید ہیں۔ آپ دریا کے سفر میں شیخ کے ہمراہ تھے۔ آپ ایک عرصہ تک بیت المقدس میں انبیاء علیہم السلام کے مقابر پر رہے۔ لوگوں کو پانی پلاتے رہے۔ آپ نے کئی بار خضر علیہ السلام سے ملاقات کی۔

ایک بار شیخ سعدی کی ایک سید سے گفتگو ہوئی۔ سید نے شیخ سعدی کے بارے میں نازیبا باتیں کیں۔ آپ خاموش رہے۔ رات ہوئی تو اس سید نے خواب میں حضرت سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے بہت ڈانٹا اور فرمایا "ہمارے فرزندوں کو نہ چاہیے کہ وہ مشائخ اور اللہ کے دوستوں کو تکلیف پہنچائیں"۔ علی الصبح وہ شیخ کی خدمت میں آئے اور آپ کو راضی کیا۔

ایک شخص، مشائخ کا منکر تھا۔ اس نے رات کو واقعہ میں دیکھا کہ آسمان کے دروازے کھلے ہیں اور فرشتے نوری طبقوں کے ساتھ زمین پر اتر رہے ہیں۔ اس نے پوچھا کہ "یہ اکرام و عزت کس کے لیے ہے؟" انہوں نے کہا "شیخ سعدی شیرازی کے لیے ہے، جس نے آج ایک شعر کہا ہے جو بارگاہ حق میں مقبول ہوا ہے"۔ پوچھا کہ "وہ کونسا شعر ہے؟" جواب ملا "یہ شعر ہے

برگ درختان سبز در نظر ہوشیار　　　ہر ورقے دفتریست معرفت کردگار"

وہ آدمی جب خواب سے بیدار ہوا تو اس وقت رات تھی۔ وہ فوراً وہاں سے بھاگا کہ شیخ سعدی کے زاویہ میں جاکر آپ کو اس خواب کی اطلاع دے مگر قریب پہنچ کر دیکھا کہ چراغ جل رہا ہے اور شیخ باواز بلند کچھ پڑھ رہے ہیں اور رو رہے ہیں۔ غور کیا تو یہی شعر تھا۔

خواجہ امیر خسرو، ایک دن، سلطان المشائخ نظام الدین بداونی، اپنے مرشد کی خدمت میں حاضر ہوئے تو دیکھا کہ آنجناب شیخ سعدی کی تصنیف گلستان

کے مطالعہ میں مصروف ہیں۔ امیر خسرو' آپ کے پاس بیٹھ گئے۔ جب حضرت مطالعہ کتاب سے فارغ ہوئے تو عرض کی "اگر ارشاد ہو تو بندہ بھی ایک کتاب' گلستان کی طرز پر لکھے اور اس کا نام "بہارستان" رکھے"۔ فرمایا "مناسب ہے"۔ چند ہی دنوں میں کتاب "بہارستان" لکھ دی اور شیخ کی خدمت میں لائے۔ شیخ نے فرمایا "تو نے اس کتاب میں داد فصاحت و بلاغت بہت دی ہے اور اس کا نام بھی "بہارستان" رکھا ہے۔ تاہم گلستان سعدی وہ گلستان ہے جس کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم' سیر کرتے ہیں"۔ امیر خسرو نے یہ بات سنی تو شکستہ خاطر ہوئے۔ رات کو خواب میں دیکھا کہ سرور کائنات علیہ السلام والصلاۃ تخت نبوت پر جلوہ افروز ہیں۔ شیخ سعدی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اور سلطان المشائخ دائیں جانب ہاتھ باندھے کھڑے ہیں۔ حضرت شہنشاہ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم ایک کتاب کے مطالعہ میں مصروف ہیں۔ خسرو آگے بڑھے تو دیکھا کہ یہ کتاب "گلستان سعدی" ہے۔ انہیں معلوم ہو گیا کہ یہ کتاب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو پسند ہے۔

ولادت: حضرت سعدی شیرازی ۵۷۱ھ میں پیدا ہوئے۔

وفات: ۶۹۱ھ میں فوت ہوئے۔ آپ کی عمر ۱۲۰ سال تھی۔

قطعہ

ولی زمان سعدی پاکباز شہ دہر مطلوب پروردگار

بجو "صاحب عشق" تولید او وصالش ز "محبوب پروردگار"

۵۷۱ھ ۶۹۱ھ

شیخ محمد یمنی قدس سرہ

آپ شیخ الشیوخ شہاب الدین سہروردی کے عظیم خلیفہ ہیں۔ چنانچہ شیخ نجیب الدین برغش شیرازی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

ایک دن میں کچھ ساتھیوں کے ساتھ شیخ الشیوخ کی خدمت میں حاضر تھا۔ اسی اثناء میں شیخ یمنی نے مخاطب ہو کر فرمایا: "ایک ساتھی خانقاہ سے باہر جائے اور ایک مسافر آدمی کو اپنے ساتھ لے آئے کیونکہ مجھے آشنائی کی خوشبو آ رہی ہے"۔ ایک صاحب فوراً باہر گئے' کوئی نہ ملا تو واپس آئے اور عرض کی کہ کوئی نہیں ملا۔ شیخ نے جلال سے فرمایا "دوبارہ جاؤ کہ مل جائے گا"۔ وہ صاحب فوراً باہر نکلے۔ ایک سیاہ فام دیکھا جس کا سفر اور غربت کی تکلیف سے برا حال تھا۔ اسے اندر لائے' جب وہ حضرت کے سامنے آئے تو انہوں نے جوتوں میں بیٹھنا چاہا۔ شیخ نے فرمایا "اے محمد! نزدیک آؤ کہ تم سے بوئے آشنائی آ رہی ہے"۔ وہ صاحب اٹھے اور شیخ کے پہلو میں جا بیٹھے۔ پہلے باہم معرفت کی باتیں کیں' پھر دسترخوان بچھایا گیا۔ کچھ چیز کھالی۔ میں تو روزہ دار تھا۔ شیخ نے فرمایا "جو روزہ دار ہو گا وہ اپنے حال پر رہے گا"۔ کھانے کے بعد شیخ الشیوخ انار کھانے میں مشغول ہو گئے۔ آپ نے انار کے کچھ دانے اپنے دھان مبارک سے نکال کر اپنے سامنے رکھ لیے۔ میرے دل میں خیال آیا کہ میں یہ دانے اٹھالوں' اس لیے کہ انہیں شیخ کے دھان کی برکت لگی ہے اور میں ان سے افطاری کروں۔ جونہی مجھے یہ خیال آیا' سیاہ فام نے ہاتھ بڑھایا' دانے لیے اور کھائے۔ پھر مجھے دیکھ کر تبسم کیا۔ میں سمجھ گیا کہ کشف سے میرا خیال معلوم ہوا ہے۔ اس کے بعد شیخ الشیوخ نے فرمایا "شیخ محمد' حافظ قرآن ہے۔ مگر اس نے تنہا پڑھا ہے۔ کیا دوستوں میں سے کوئی چاہتا ہے کہ شیخ محمد' روزانہ اس کے سامنے ایک پارہ پڑھے"۔ بعض دوست حافظ قرآن تھے' انہوں نے یہ بات پسند کی۔ میرے دل میں بھی خیال گزرا مگر میں نے بیان نہ کیا اور بات شیخ کے سپرد کر دی۔ بالآخر شیخ نے انہیں میرے حوالے کیا اور فرمایا "شیخ محمد ہر روز' علی شیرازی کے پاس جا کر ایک سیپارہ پڑھے گا"۔ جب رات

ہوئی تو شیخ عیسیٰ، شیخ کے خادم، میرے پاس آئے اور انار کا ایک حصہ مجھے دیا اور کہا کہ اس میں سے آدھا انار شیخ الشیوخ نے تناول فرمایا ہے، باقی آپ کے لیے بھیجا ہے تاکہ تو اس سے افطاری کرے۔ نیز فرمایا ہے کہ یہ ان دانوں کا عوض ہے جو شیخ محمد نے کھائے تھے۔ چنانچہ میں نے ان دانوں سے افطاری کی۔

صبح کی نماز کے بعد میں اپنے گھر گیا۔ اسی دوران وہ سیاہ فام یعنی شیخ محمد یمنی میرے پاس آئے۔ سلام کیا۔ میں نے جواب دیا۔ انہوں نے کوئی بات نہ کی۔ میں نے بھی کوئی بات نہ کی۔ انہوں نے پہلا پارہ پڑھا، اٹھے اور چلے گئے۔ دوسرے دن بھی ایسے ہی کیا۔ تیسرے دن اس جوان نے اپنا وظیفہ پڑھا اور کہا "میرے اور آپ کے درمیان استادی اور شاگردی کا رشتہ قائم ہو چکا ہے۔ میں اپنا حال بیان کرتا ہوں کہ میں یمن کا سیاہ فام ہوں۔ خدائی اشارہ سے یہاں آیا ہوں۔ میں نے شیراز نہیں دیکھا، اس لیے آپ میرے سامنے مشائخ شیراز کے حالات و اوصاف بیان کیجئے"۔ میں نے اوصاف مشائخ شیراز بیان کرنے شروع کر دیے۔ اس زمانہ میں شیراز کے بزرگوں میں سے ہر ایک کا نام بیان کر دیا۔ اب انہوں نے کہا "شیراز کے زاہدوں اور گوشہ نشینوں کے نام بھی بتلائیے"۔ میں نے ان کے نام بھی بتا دیے۔ اس کے بعد تو وہ بے ہوش ہو گئے۔ چنانچہ میں ڈرا کہ مر چکے ہیں کیونکہ آپ کا سانس رک گیا تھا۔ طویل وقت تک اسی حالت پر رہے۔ بعد ازاں ہوش میں آئے اور کہا "میں شیراز گیا تھا اور سب کی زیارت کی۔ اب آپ ان میں سے ہر ایک کا نام لیجئے تاکہ میں ایک ایک کی حالت بیان کروں"۔ میں ایک ایک کر کے سب کا نام لیتا جاتا اور وہ ایک ایک کا وصف بیان کرتے جاتے، گویا کہ ابھی ان سے مل کر آ رہے ہیں۔ آپ ان کے سلوک، حال، لباس، وضع، ہر ایک چیز کے بارے میں

بتاتے جاتے۔ میں نے یہ سن کر سخت تعجب کیا اور ان کی ولایت و کرامت کا معتقد ہوگیا۔ بعد میں کہا "ان میں سے ایک صاحب' ولایت کی بلندی سے گر چکے ہیں' ان کا نام حسین ہے۔ ان کا نام اولیاء کے دفتر سے محو کر دیا گیا ہے"۔ میں نے دریافت کیا "اس کا سبب کیا ہے؟" فرمایا "شیراز کے حکمران اتابک ابو بکر کو ان سے عقیدت ہو گئی تھی۔ ان کے پاس گئے اور انہیں بہت سا مال و نعمت دیا' اس لیے وہ قرب حق سے گر پڑے"۔ مین نے یہ بات یاد کرلی۔ میں شیراز آیا تو حسین کا یہی حال تھا جیسا کہ اس بزرگ نے کہا تھا۔ انہوں نے یہ بھی کہا "شیراز کے جن بزرگوں کا تو نے ذکر کیا ہے' ان میں سے ایک نے تجھے ایک نشانی دی تھی۔ وہ نشانی بتلاؤ تاکہ میں بھی دیکھوں"۔ میں نے ہرچند بہت غور کیا مگر میرے ذہن میں نہ آیا۔ آخر اس درویش نے میرے جوتے پر نظر ڈالی اور کہا "وہ کیا ہے؟" مجھے یاد آیا کہ شیراز میں ایک زاہد تھا جو جوتے سیتا تھا۔ جب میں سفر کے لیے آنے لگا تو اس نے مجھے جوتوں کا ایک جوڑا بطور تبرک دیا اور کہا "یہ میری نشانی ہے تاکہ تو اسے دیکھ کر مجھے یاد کرے"۔ چنانچہ چند سال تک میری شیخ محمد سیاہ یمنی کے ساتھ صحبت رہی اور مجھے ان کی صحبت سے کئی روحانی فائدے حاصل ہوئے------ شیخ یمنی نے شیخ الشیوخ سے خرقہ خلافت پایا۔ اس کے بعد آپ اپنے ملک چلے گئے۔ بہت سے لوگ آپ کے مرید ہوئے۔

وفات: شیخ محمد یمنی نے بقول "صاحب خزینۃ الصلحاء" (تذکرہ مشائخ کرام سہروردی) ۶۹۲ھ میں وفات پائی۔ آپ کی عمر ۱۲۵ سال تھی۔

قطعہ

محمد چو بست از جہان رخت خویش | بہ جنت شد آن عالم باعمل
ز دل جلوہ گر گشت تاریخ او | "سہیل یمن ماہتاب ازل"

ظہیرالدین عبدالرحمٰن بن علی شیرازی قدس سرہ

اپنے والد کے عظیم خلیفہ تھے۔ جب آپ کی والدہ کو آپ کا حمل ہوا تو شیخ الشیوخ شہاب الدین نے آپ کی والدہ کے لیے اپنے خرقہ مبارک کا ایک ٹکڑا بھیجا۔ آپ پیدا ہوئے تو وہ کپڑا آپ کو پہنایا گیا۔ مرید ہونے سے پہلے' سب سے پہلے آپ نے یہی کپڑا پہنا۔ بڑے ہوئے تو اپنے والد کی خدمت میں مشغول رہے۔ تربیت پائی۔ والد کی زندگی میں حج پر گئے۔ شب عرفہ' خواب میں دیکھا کہ روضہ مطہرہ صلی اللہ علیہ وسلم پر حاضری دی ہے اور سلام کہا ہے۔ روضہ سے آواز آئی "وعلیک السلام یا ابا النجاشی"۔ آپ کے والد شیراز میں اس بات سے مطلع ہو گئے اور اپنے گھر والوں اور ساتھیوں کو اس سے مطلع کیا۔ جب حج سے واپس آئے' ان کے والد مشغول ہوئے اور حدیث روایت کی۔ کتابیں لکھیں۔ ان کی ایک عمدہ تصنیف "عوارف" کا ترجمہ ہے۔ اس کتاب میں کشف و الہام کے بارے میں بہت سی تحقیقات صادقہ مندرج ہیں۔ آپ کے سامنے ظاہری و باطنی فتوح کے دروازے کھلے۔ آپ کرامات بلند اور مقامات ارجمند تک پہنچے۔ آخر رمضان المبارک ۷۱۶ھ میں وفات پائی۔

قطعہ

عبد رحمان ظہیر الدین ولی — شد چو از دنیا مقیم اندر جنان

از امام خلد تاریخش بجو — "عارف رحمان ولی ہادی نجوان"

۷۱۶ھ — ۷۱۶ھ

خواجہ کرک سہروردی قدس سرہ

کامل وقت تھے۔ عامل تھے۔ آپ کو شیخ بہا الدین زکریا ملتانی کے بھتیجے حضرت شیخ اسماعیل قریشی سہروردی سے عقیدت تھی

خواجہ اسماعیل اپنے عم بزرگوار کے مرید تھے اور ان سے خلافت حاصل کی تھی اور یوں مقامات بلند تک پہنچے تھے۔ آپ غیبی اشارہ پا کر ملتان سے موضع سبزولی چلے آئے تھے۔ یہ گاؤں الہ آباد شہر کے مغرب میں ایک فرسخ فاصلہ پر ہے۔ بہت سے لوگ آپ کے مرید ہو گئے۔ خواجہ کرک بھی' جو بہت بڑے عالم و فاضل تھے' آپ کے مرید ہو گئے۔ بیعت ہونے کے بعد خواجہ کرک کی حالت عجیب و غریب ہو گئی۔ آخر شیخ اسماعیل سے اجازت لے کر کرہ قصبہ میں پہنچے۔ وہاں سکونت اختیار کی۔ غلبہ حال سے ملامتیہ سلسلہ اپنا لیا۔ لوگوں کے سامنے شراب پیتے۔ آپ سے بہت سی کرامات سرزد ہوتیں۔ صاحب "معارج الولایت" "تاریخ نظامی" سے نقل کرتے ہیں۔

جب ملک علاء الدین (جو سلطان جلال الدین خلجی کا بھتیجا اور داماد تھا) کرہ اور مانگ پور کا حکمران بہت سا لشکر اکٹھا کر کے دیوگری کی جانب گیا اور اس ملک کو تباہ کر کے ایک قوت بن گیا' سلطان جلال الدین نے اس کے ارادہ سے واقف ہو کر چاہا کہ کسی حیلہ سے' اس پر قابو پائے اور دیوگری کے خزانے پر بھی قبضہ کر لے۔ لہٰذا دہلی سے کشتیوں پر سوار ہو کر قصبہ کرہ کا رخ کیا۔ ملک علاء الدین نے اس کے اس ارادہ سے واقف ہو کر چاہا کہ خواجہ کرک کے حضور جائے' چنانچہ اس نے پوری نیازمندی سے آپ سے مدد چاہی--- خواجہ کرک نے حالت استغراق سے سر اٹھا کر کہا

ہر کہ بسازد با تو جنگ سرحد کشتی تنگ در گنگ

ملک علاء الدین اس بشارت سے خوش ہوا اور دو تین دن کے بعد ۱۷ رمضان ۶۹۵ھ کو سلطان جلال الدین اسی طرح مارا گیا جیسا کہ خواجہ کرک نے فرمایا تھا۔ چنانچہ کتب تواریخ میں درج ہے۔ اس کے بعد ملک علاء الدین نے اپنے آپ کو سلطان علاء الدین کا خطاب دیا۔ دہلی کے تخت پر بیٹھا۔ خواجہ

کرک، سلطان المشائخ نظام الدین بداونی کے ہم عصر ہیں۔
وفات: بروایت صحیح ۷۱۶ھ میں وفات پائی۔

قطعہ

چو از دنیا بفردوس برین رفت — شہ کونین پیر واقف کرک
رقم کن "خواجہ نامی" وصالش — بفرما "زاہد حق عارف کرک"
۷۱۶ھ — ۷۱۶ھ

میر حسینی سہروردی قدس سرہ

آپ کا نام نامی، حسن بن سید عالم بن سید ابی الحسینی ہے۔ بقول "صاحب نفحات الانس" آپ غور کے دیہات میں سے ایک گاؤں "گرہ یوست" کے رہنے والے تھے۔ علوم ظاہری و باطنی کے عالم تھے۔ آپ حضرت شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی قریشی کے بالواسطہ مرید تھے۔ آپ کی بہت سی تصانیف ہیں۔ چنانچہ "کنز الرموز" "زاد المسافرین" "نزہت الارواح" "روح الارواح" "صراط المستقیم" "دیوان حسینی منظوم" جو نظم میں اپنی مثال نہیں رکھتا اور کتاب "گلشن راز" آپ کی مشہور ترین کتابیں ہیں۔

آپ پہلے فوجی ملازمت میں بادشاہی ملازم تھے۔ آپ کی توبہ کا قصہ یہ ہے کہ ایک دن آپ نے صحرا میں ایک ہرن کے تعاقب میں گھوڑا ڈالا۔ جب ہرن کے قریب پہنچے اور اس پر تیر پھینکنا چاہا تاکہ اس کا شکار کریں۔ ہرن رک گیا۔ آپ کی طرف منہ کیا اور بولا "اے سید! اللہ تعالیٰ نے آپ کو اہل بیت محمد صلی اللہ علیہ وسلم میں پیدا کیا۔ آپ کو اپنی طاعت و عبادت کے لیے پیدا کیا، نہ شکار کے لیے جو بیکاروں کا کام ہے۔ اب آپ نے اپنے سب کام بیکار کر لیے ہیں اور میرا شکار کر رہے ہو؟" یہ کہہ کر ہرن نظروں سے غائب ہو گیا۔ میر حسینی نے یہ نصیحت سنی تو ان کے دل میں طلب حق کی آگ بھڑکی۔

گھر آئے' جو کچھ پاس تھا اس سے ہاتھ اٹھا لیا۔ ایک قافلہ کے ساتھ چل پڑے۔ ملتان آئے اور بادشاہی سرائے میں ٹھہرے۔ رات ہوئی تو شیخ الاسلام بہاء الدین ملتانی نے خواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ فرماتے ہیں "میرا فرزند میر حسینی قافلہ میں ہے' اسے وہاں سے لے آؤ اور کار حق پر لگا دو"۔ صبح سویرے حضرت زکریا بذات خود قافلہ میں پہنچے اور اہل قافلہ سے کہا "تم میں سے میر حسینی کون صاحب ہیں؟" سب نے آپ کی طرف اشارہ کیا۔ شیخ نے آپ کو اپنے ساتھ لیا' تربیت فرمائی' حتیٰ کہ وہ بلند مقامات پر پہنچ گئے۔ جب تربیت مکمل ہو گئی تو آپ نے انہیں خرقہ خلافت عطا کیا اور خراسان جانے کا حکم دیا۔ آپ رخصت ہو کر ہرات آئے' وہیں قیام کیا۔ تمام اہل ہرات آپ کے مرید اور معتقد ہو گئے۔ آپ نے وہاں کئی سال قیام کیا اور طالبان حق کو ذات حق تک پہنچایا۔

وفات: جمعہ کی رات ۱۶ شوال ۷۱۷ھ تحریر فرمائی ہے۔ تمام اہل سیر اس امر پر متفق ہیں کہ آپ کی عمر ۱۱۷ سال ہے۔ آپ کا مدفن مبارک ہرات میں خواجہ عبد اللہ طیار کے مزار کے باہر ہے۔

قطعہ

چو میر خلد شد باعزت و شان ولے میر جہان گیر حسینی
نداشد بہر سال انتقالش کہ "قطب الواصلین میر حسینی"
۷۱۷ھ

شیخ احمد معشوق قدس سرہ

آپ شیخ صدر الدین عارف بن شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی کے عظیم خلیفہ تھے۔ پہلے قندھار میں رہائش تھی۔ آپ مسلسل شراب نوش تھے۔ شراب پیے بغیر ایک لحظہ گزارنا آپ کے لیے ناممکن تھا۔ آپ کے والد محمد قندھاری'

قندھار میں دکان تجارت چلاتے تھے۔ اتفاق سے ایک بار شیخ احمد تجارت کے کام سے ملتان آئے۔ بازار میں تجارت کی دکان کھولی۔ ایک دن شیخ صدر الدین راستے سے گزر رہے تھے کہ اس پر آپ کی نظر پڑی۔ خانقاہ پہنچ کر ایک خادم بھیج کر اپنے پاس بلوا لیا۔ چونکہ موسم گرما تھا' اس لیے پینے کے لیے شربت لایا گیا۔ حضرت شیخ صدر الدین نے تھوڑا سا شربت پیا' باقی شیخ احمد کو عطا فرمایا۔ یہ شربت پیتے ہی ان کا نور باطن روشن ہو گیا۔ بیعت کا شرف حاصل کیا۔ فوراً دکان کی نقدی اور جنس' سب خانقاہ کے درویشوں پر نثار کر دی۔ اب اس طرح کی مجردانہ فقیرانہ زندگی بسر کرنے لگے کہ سات سال تک ایک ہی تہ بند میں گزار دیے اور اعلیٰ درجات پر فائز ہوئے۔

ایک دن شیخ پانی میں نہا رہے تھے۔ آپ نے اس وقت بارگاہ الٰہی میں دست دعا بلند کی اور عرض کی "اے اللہ' تو بادشاہ ہے اور بندوں کی اطاعت سے بے نیاز ہے۔ تو اپنی عنایت سے بندوں کو نوازتا ہے' میں اس وقت تک پانی سے باہر قدم نہیں رکھوں گا جب تک میں اس بات سے آگاہ نہ ہو جاؤں کہ تیری جناب میں' میرا کیا قرب و مرتبہ ہے؟" آواز آئی "ہماری بارگاہ میں تیرا مرتبہ یہ ہے کہ میں بہت سی گنہگار مخلوق کو تیرے وسیلہ سے دوزخ کی آگ سے آزاد کروں گا اور بہشت میں پہنچاؤں گا"۔ عرض کی "یا اللہ! تیری نعمت و رحمت بے حد و بے شمار ہے' اس لیے اس پر اکتفا نہ کر"۔ حکم ہوا "میں نے تجھے اپنا محبوب و معشوق بنایا ہے تاکہ طالبوں کو ہمارا عاشق بنائے"۔ شیخ احمد نے جب یہ سنا' پانی سے باہر آئے' اپنا لباس پہنا اور چل پڑے۔ راستے میں جہاں کہیں لوگ ملتے' ان سے یہ آواز سنتے کہ "شیخ احمد معشوق آ رہا ہے"۔

صاحب "تاریخ فرشتہ" فرماتے ہیں: شیخ احمد کا جذبہ عشق اس مقام پر پہنچ چکا تھا کہ آپ جہان اور اہل جہان سے بے خبر تھے' حتیٰ کہ حالت مدہوشی میں

ادائے فرائض کی بھی خبر نہ ہوتی۔ علماء و فقہاء نے ان سے کہا "آپ فرض نماز بھی نہیں پڑھتے' کیا اسلام کا حکم آپ پر جاری نہیں ہے؟" کہا "میں نماز پڑھنے کی قدرت نہیں رکھتا اور اگر آپ حضرات کہتے ہیں کہ نماز پڑھوں تو میں پھر سورۃ فاتحہ نہیں پڑھوں گا"۔ علماء نے کہا "فاتحہ کے بغیر نماز درست نہیں"۔ کہا "اگر میں سورۃ فاتحہ پڑھوں گا تو پھر ایاک نعبد و ایاک نستعین نہیں پڑھوں گا"۔ علماء نے کہا "ایاک نعبد و ایاک نستعین کے بغیر فاتحہ پڑھنا درست نہیں اس لیے نماز بھی درست نہ ہوگی"۔ آخر کار علماء کے مجبور کرنے پر شیخ نماز کے لیے کھڑے ہوئے۔ جب ایاک نعبد و ایاک نستعین پر پہنچے' ان کے ہر بال کے سوراخ سے خون کے قطرے ٹپکنے شروع ہو گئے۔ تمام خرقہ' خون سے آلودہ ہو گیا۔ نماز توڑ ڈالی اور کہا "اے علماء! اس وقت میں حائضہ عورت ہوں' مجھے نماز معاف ہے"۔

وفات: ۷۲۳ھ میں فوت ہوئے۔

قطعہ

چو احمد از جہان بر فنا رفت	مقامے یافت اندر قرب رحمان
بجو سالش ز محبوب خداوند	دگر "محبوب حق احمد ولی خوان"
۷۲۳ھ	۷۲۳ھ

شیخ ضیاء الدین رومی قدس سرہ

شیخ ضیاء الدین رومی بہت بڑے بزرگ تھے۔ شیخ شہاب الدین سہروردی کے خلیفہ تھے۔ بادشاہ ہند سلطان علاء الدین خلجی دہلی میں آپ کا مرید ہوا۔ وہ آپ کا بہت زیادہ معتقد تھا۔ اس کی وفات کے بعد اس کا بیٹا سلطان قطب الدین مبارک شاہ بھی آپ کے حلقہ ارادت میں داخل ہوا۔

وفات: بقول صاحب تذکرہ چشتیہ (جو احوال سلطان المشائخ نظام الدین

کے بارے میں ہے اور جس میں صاحب تذکرہ نے آپ کا بھی ذکر کیا ہے) آپ کا سال وفات ۷۲۱ھ ہے۔ یہی سلطان قطب الدین مبارک شاہ کے قتل کا سال ہے۔ دیگر اہل تشریح کے بقول آپ کا سال وفات ۷۲۳ھ ہے۔ بہرحال پہلا قول زیادہ موزوں ہے۔ واللہ اعلم۔ آپ کی عمر تقریباً ۱۳۵ سال ہے۔ اپنے مرشد کی وفات کے بعد ۹۱ سال تک زندہ رہے۔

قطعہ

چو رفت از جہان یافت در خلد جا ضیا پیر روشن دل و نیک بخت

دگر "بندہ اشرف الاولیاء" بگو "ذروہ الاصفیاء" سال او

۷۲۱ھ ۷۲۳ھ

حضرت لعل شہباز قلندر سندھی سوہانی قدس سرہ

آپ کے بارے میں صاحب "معارج الولایت" فرماتے ہیں کہ آپ صاحب کمالات ظاہری و باطنی و تصرفات صوری اور معنوی تھے۔ آپ سے خوارق و کرامات' بے اختیار ظاہر ہوتی تھیں۔ آپ اصل میں سندھ کے رہنے والے تھے۔ آپ حسینی سید ہیں۔ آپ کا نام میر سید عثمان ہے۔ آپ شیخ الاسلام بہاء الدین زکریا ملتانی کے مرید اور خلیفہ تھے۔ چونکہ جذب و مستی زیادہ تھی' اس لیے احکام شرع کے پابند نہ تھے۔ آپ کے پیش نظر سلسلہ ملامتیہ تھا۔ آپ لوگوں کے سامنے نشہ آور اور کیف آور چیزیں کھاتے پیتے تھے۔ جر گھاس کا پانی بہت پیتے' سرخ لباس پہنتے۔ آپ کو مرشد کی طرف سے شہباز کا خطاب ملا تھا۔ سلسلہ ملامتیہ اپنانے کی وجہ سے عوام میں حضرت "شہباز قلندر" کے نام سے مشہور ہوئے۔ آپ سے چونکہ بہت سی کرامات ظاہر ہوتی تھیں' اس لیے ہزاروں لوگ آپ کے مرید ہو گئے بلکہ اب تک بھی آپ کے مزار پر انوار سے اکثر اوقات خوارق ظاہر ہوتے ہیں۔

حضرت لعل شہباز کے آباء کرام کا شجرہ "الاخبار الاولیاء" میں اس طرح مندرج ہے:

لعل شہباز بن سید حسن کبیر الدین بن سید شمس الدین بن سید صلاح الدین بن سید شاہ بن سید خالد بن سید محب بن سید مشتاق بن سید نور الدین بن سید اسماعیل بن سید امام جعفر صادق بن امام محمد بن امام زین العابدین علی بن سید الکونین امام حسین رضی اللہ عنہ۔

سہروردیہ نسبت کے علاوہ' آپ کی ایک نسبت اس طرح امام جعفر صادق تک جا پہنچتی ہے کہ حضرت لعل شہباز مرید تھے حضرت شیخ جمال مجرد کے' وہ سید ابراہیم مجرد کے مرید تھے' وہ شیخ عاقل شہید کے مرید' وہ مسکین شہید کے' وہ مرتضیٰ سبحانی کے' وہ امام جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مرید تھے۔

وفات: آپ نے ۷۲۴ھ میں وفات پائی۔ آپ کا مزار پرانوار ملک سندھ کے مقام سیوہان میں ہے۔ یہ فیض و برکت سے پر' مشہور ترین مزار ہے۔

قطعہ

چون عثمان ولی از دار دنیا برفت و باب جنت شد بر او باز
ز "مخدوم اجل" جو ارتحالش بفرما "عارف محبوب شاہباز"
۷۲۴ھ ۷۲۴ھ

شیخ رکن الدین ابوالفتح سہروردی بن شیخ صدر الدین عارف قدس سرہ

اپنے دادا شیخ بہاء الدین رحمتہ اللہ علیہ کے سچے جانشین تھے۔ اپنے والد سے بھی خرقہ خلافت ملا تھا۔ آپ کے ایک مرید نے "رعناوی صوفیہ" تالیف کی ہے۔ اس میں آپ کی بہت سی کرامات و خوارق و عادات کا ذکر کیا ہے۔ آپ کی والدہ بی بی راستی ہے، جو درستی و راستی میں رابعہ وقت تھیں۔ وہ حافظہ قرآن تھیں اور ہر روز ایک بار قرآن شریف ختم کرتی تھیں۔ انہیں اپنے خسر شیخ بہاء الدین زکریا رحمتہ اللہ علیہ سے ارادت تھی۔

ایک دفعہ بی بی راستی نئے چاند کی رات اپنے خسر کی خدمت میں سلام کرنے کے لیے حاضر ہوئیں۔ اس وقت شیخ رکن الدین آپ کے بطن مبارک میں سات ماہ کے تھے۔ آپ کے خسر، بی بی صاحبہ کو دیکھتے ہی ان کی تعظیم کے لیے اٹھے، نہایت عزت کی۔ حضرت بی بی صاحبہ نہایت متعجب ہوئیں کیونکہ آج ان کے خسر نے بزرگوں کی عادت و معمول کے خلاف اس حد تک آپ کا اکرام کیا تھا۔ ہاتھ باندھ کر اس کا سبب دریافت کیا۔ آپ نے فرمایا "اے بی بی! یہ تعظیم تیری تعظیم نہیں ہے، بلکہ اس شخص کی تعظیم ہے جو تیرے بطن عفت میں ہے۔ وہ چراغ خاندان اور شمع دو دمان ہوگا"۔

ایک دن حضرت شیخ بہاء الدین زکریا رحمتہ اللہ علیہ چارپائی پر تکیہ لگائے بیٹھے تھے۔ آپ کی دستار مبارک پلنگ کے پایہ پر پڑی تھی۔ شیخ صدر الدین فرش پر دو زانو ہو کر بڑے ادب سے بیٹھے تھے۔ شیخ رکن الدین چار سال کے تھے۔ وہ پلنگ کے چاروں پاؤں کے ساتھ پھر رہے تھے اور کھیلنے میں مصروف تھے۔ اچانک جیسے بچوں کی عادت ہے انہوں نے اپنے جد بزرگوار کی دستار پلنگ سے اٹھائی اور اپنے سر پر رکھ لی۔ شیخ صدر الدین نے یہ دیکھ کر زور

سے آواز لگائی اور کہا "با ادب بنو"۔ حضرت شیخ نے فرمایا "پریشان نہ ہو وہ دستار کا حق دار ہے۔ ہم نے یہ پگڑی اسے دے دی" چنانچہ وہ دستار اس دن ایک صندوق میں رکھ دی گئی۔ اپنے والد کی وفات کے بعد جب شیخ رکن الدین سجادہ مشیخیت پر بیٹھے تو وہی دستار سر پر رکھی۔ نیز وہ خرقہ پہنا جو آپ کے جد امجد کو شیخ الشیوخ کی بارگاہ سے ملا تھا۔ یوں آپ سجادہ عالیہ پر رونق افزا ہوئے۔

حضرت شیخ رکن الحق و الدین رحمتہ اللہ علیہ فیض الٰہی کے دریا تھے۔ جو شخص جو حاجت بھی لے کر آتا گوہر مراد سے اپنا دامن بھر لیتا۔ چنانچہ عوام آپ کو قبلہ حاجات کہتے۔ سید جلال الدین مخدوم جہانیاں شیخ عثمان سیاح اور دیگر ہزاروں مشائخ عظام نے آپ کے خوان نعمت سے فائدہ اٹھایا۔ آپ سلطان علاء الدین کے عہد میں دو بار اور سلطان قطب الدین کے دور میں تین بار دہلی تشریف لے گئے۔ سلطان علاء الدین باوجودیکہ مغرور و متکبر تھا' آپ کے استقبال کے لیے سوار ہو کر آیا۔ دو لاکھ تنکہ آپ کی آمد پر اور پانچ لاکھ تنکہ آپ کے تشریف لے جانے کے موقعہ پر آپ کی خدمت میں پیش کیا۔ شیخ نے یہ روپیہ لے کر اسی دن مسکین مستحقوں میں تقسیم کر دیا۔ شیخ رکن الحق والدین کو سلطان المشائخ نظام الدین بداونی قدس سرہ سے بہت محبت تھی۔ آپ نے کئی دفعہ فرمایا کہ "مجھے ملتان سے دہلی نظام الدین اولیاء کی محبت لائی ہے"۔

ایک دفعہ جمعہ کے دن سلطان المشائخ نظام الدین اور شیخ رکن الدین دونوں بزرگ مسجد کیلوکھری میں اکٹھے ہوئے۔ شیخ رکن الدین کے بھائی شیخ عماد الدین اسماعیل بھی موجود تھے۔ ان کے دل میں خیال گزرا کہ اس وقت قرآن السعدین ہے۔ اگر ان دونوں بزرگوں کے درمیان کسی علمی نکتہ پر بات

ہو تو یہ لطف سے خالی نہ ہوگا۔ لہٰذا دونوں حضرات کی خدمت میں عرض کی "اس میں کیا حکمت تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ سے مدینہ ہجرت کی؟" شیخ رکن الدین نے فرمایا "ہمارا خیال یہ ہے کہ حضرت شاہ رسالت علیہ الصلوۃ والتحیت کے بہت سے کمالات باطنی ہجرت پر موقوف تھے اور تقدیر الٰہی میں یہ تھا کہ جب آپ مکہ سے ہجرت کریں' مدینہ تشریف لائیں تو ان کمالات کی تکمیل ہو"۔ شیخ نظام الدین نے یہ تقریر سن کر کہا "بندہ کے دل میں اس کے برعکس یہ نکتہ ظاہر ہوا ہے کہ اہل مدینہ میں سے کچھ ناقص' ظاہری و باطنی کمی کی وجہ سے اس بات کی استطاعت نہیں رکھتے تھے کہ مدینہ سے مکہ پہنچ کر سعادت حاصل کریں۔ خدائے جل شانہ نے اپنا فضل و کرم فرمایا (وہ فضل و کرم جو ہمیشہ اللہ اپنے ناچیز بندوں پر کرتا رہتا ہے) اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خود ان پر مکہ سے مدینہ بھیج دیا تاکہ وہ ناقص کمال تک پہنچیں۔ یوں اللہ تعالیٰ نے انہیں بے طلب و سوال دولت لازوال عطا فرمادی"۔

غرضیکہ اس طرح کی تقاریر شستہ انداز اور سخنہائے شیریں کے مابین واقع ہوئی۔

جب شیخ رکن الدین بادشاہ سے ملنے کے لیے تشریف لے جاتے تو آپ کچھ دیر کے لیے "تخت رواں" کو (جس پر سوار ہوتے تھے) دیوان شاہی کے باہر کھڑا کرتے۔ عوام میں سے جن کی رسائی دیوان شاہی تک مشکل ہوتی اپنی درخواستیں اور عرضیاں لکھ کر تخت رواں پر ڈال دیتے۔ شیخ سلطان کے پاس پہنچ کر پہلے ایک خادم کو اشارہ فرماتے کہ ضرورت مندوں کی درخواستیں سلطان کی خدمت میں پیش کرے۔ سلطان تمام درخواستوں کا خود مطالعہ کرتے اور ہر ایک درخواست پر اپنے قلم سے جواب تحریر فرماتے۔ جب یہ

کام مکمل ہو جاتا تو شیخ دیوان سلطنت سے واپس تشریف لے آتے۔ یوں آپ کا سلطان کے پاس جانا اہل حاجت کی مدد کے لیے ہوتا تھا۔ اس لیے کہ اللہ کے دوستوں کی نیت ہر کام میں خیر کی ہوا کرتی ہے۔

ایک بار شیخ رکن الدین حضرت سلطان المشائخ نظام الدین کی محفل سماع میں تشریف لائے۔ جب سلطان المشائخ وجد میں آئے اور اٹھنا چاہا تو شیخ رکن الدین نے ان کا دامن پکڑ لیا اور انہیں اٹھنے نہ دیا۔ کچھ دیر بعد پھر حضرت وجد میں آ کر اٹھے تو شیخ رکن الدین خاموش رہے۔ بلکہ خود بھی تعظیماً اٹھے۔ جب تک حضرت وجد میں رہے آپ کھڑے رہے۔ سماع سے فراغت کے بعد علامہ علم الدین نے وجہ پوچھی تو فرمایا "پہلی دفعہ میں نے حضرت کو عالم ملکوت میں دیکھا۔ چونکہ میرا ہاتھ وہاں تک پہنچ سکتا تھا اس لیے میں نے ان کا دامن پکڑا اور انہیں وجد سے باز رکھا۔ دوسری مرتبہ شیخ عالم جبروت میں تھے۔ میں انہیں اپنے اختیار سے بلند سمجھ کر خاموش رہا"۔

جب سلطان غیاث الدین تغلق شاہ، فتح دکن کے بعد دہلی واپس آیا تو شیخ رکن الدین بھی دہلی میں تھے۔ دہلی سے دو کوس کے فاصلہ پر اپنے بیٹے سلطان محمود کی نوتعمیر کردہ کوشک کے مقام پر پہنچا تو اس نے وہاں قیام کیا۔ شیخ رکن الدین بھی سلطان سے ملنے کے لیے وہاں تشریف لے گئے۔ ایک دن سلطان غیاث الدین شیخ اور دیگر حاضرین جدید کوشک کے چھت تلے کھانا کھا رہے تھے۔ ابھی کھانے سے فارغ نہ ہوئے تھے کہ شیخ نے سلطان سے فرمایا "اس محل کی عمارت نئی ہے۔ مناسب مشورہ ہے کہ یہاں سے جلدی اٹھ جائیے، ایسا نہ ہو کہ گر پڑے" سلطان نے کہا "کھانے سے فارغ ہونے کے بعد ہم باہر چلے جائیں گے" اس بات کا دو تین بار تکرار ہوا مگر سلطان یہی جواب دیتا تھا۔ آخرکار شیخ اپنے خادموں کے ساتھ ہاتھ دھوئے بغیر اٹھے۔

جب دہلیز تک پہنچے تو عمارت کی چھت گر پڑی۔ سلطان اپنے امراء کے ساتھ عمارت کے نیچے آ گیا اور جان' جان آفرین کے سپرد کر دی۔ یہ واقعہ ۷۲۵ھ میں پیش آیا۔ یہی سلطان المشائخ نظام الدین کا سال وفات ہے۔

"مجمع الاخبار" میں ہے کہ ایک دن سلطان غیاث الدین نے مولانا ظہیر الدین سے پوچھا کہ "کیا آپ نے کبھی شیخ رکن الدین ملتانی کی کوئی کرامت بھی دیکھی ہے؟"۔ فرمایا "ایک دفعہ جمعہ کے دن میں نے عوام کو دیکھا کہ شیخ رکن الدین کی قدم بوسی کے لیے بہت بھیڑ لگا رکھی ہے۔ میرے دل میں خیال آیا کہ شیخ رکن الدین کے پاس اسماء الٰہی میں سے کسی اسم کا عمل تسخیر ہے۔ وگرنہ میں بھی عالم ہوں۔ کوئی بھی میری طرف نہیں دیکھتا۔ میں نے ارادہ کر لیا کہ کل سویرے شیخ کے پاس جاؤں اور آپ سے یہ مسئلہ پوچھوں کہ مضمضہ (کلی) اور استنشاق (ناک میں پانی ڈالنے) کی سنت کی حکمت کیا ہے؟ رات ہوئی تو میں نے واقعہ میں دیکھا کہ شیخ رکن الدین میرے حلق میں حلوہ ڈال رہے ہیں۔ میں جاگا تو مٹھاس کا ذائقہ اپنے حلق میں پایا۔ میں نے دل میں سوچا کہ کرامت یہی ہے کہ شیطان شیخ کی صورت بنا کر خواب میں آتا ہے اور یوں عوام کو گمراہ کرتا ہے۔ صبح ہوئی تو میں شیخ کے پاس گیا۔ ابھی گفتگو کی نوبت ہی نہیں آئی تھی کہ آپ نے فرمایا "خوش آمدید! میں آپ کا منتظر تھا کہ مولانا کب آتے ہیں تاکہ میں ان کے سوالوں کا جواب دوں۔ اب آپ جان لیجئے کہ جنابت کی دو قسمیں ہیں۔ ایک دل کی جنابت' دوسری جسم کی جنابت۔ تن کی جنابت عورت کی قربت سے واقع ہوتی ہے۔ جب کہ جنابت دل نامناسب لوگوں کی مجلس میں واقع ہوتی ہے۔ جسم تو پانی سے پاک ہو جاتا ہے' دل آنسوؤں سے پاک ہوتا ہے۔ مضمضہ و استنشاق نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے۔ یہ ایسے پانی سے ادا کی جاتی ہے جس کا رنگ اور

ذائقہ بدلا ہوا نہ ہو۔ اس کی حکمت وضو کے تمام اعضاء سے رفع حدت (گرمائش کو دور کرنا) ہے۔ یہ جان لیجئے کہ جس طرح شیطان حضور سرور کائنات علیہ الصلوۃ السلام کی صورت میں نہیں آ سکتا اسی طرح مشائخ (جو اللہ کے دوست ہیں) کی شکل میں بھی نہیں آ سکتا۔ مولانا! اگرچہ آپ عالم ہیں تاہم مرد قال ہیں۔ آپ حال سے خالی ہیں"۔ میں نے اپنے سوال کا کافی جواب پالیا اور آپ کی بیعت کرلی۔

جب شیخ رکن الدین کی وفات کا وقت قریب آیا تو آپ نے اس سے قبل تین بار مخلوق سے گوشہ گیری کی اور بالکل حجرہ سے باہر تشریف نہ لائے سوائے فرض نمازوں کی ادائیگی کے وقت آخر ۲۹ رجب ۷۳۵ھ محمد تغلق کے دور حکومت میں (بقول بعض ۷۳۴ھ) نماز عصر کے بعد مولانا ظہیرالدین محمد کو حجرہ کے اندر طلب فرمایا۔ "جاؤ ہماری تجہیز و تکفین کا سامان کرو"۔ نماز مغرب کے بعد صلوۃ اوابین پڑھی' سر سجدہ میں رکھا' جان اللہ کے سپرد کی۔

مخفی نہ رہے کہ حضرت شیخ کا کوئی بیٹا نہ تھا۔ اس لیے آپ کی وفات کے بعد آپ کے بھائی محمد اسماعیل کے صاحبزادے سجادہ نشین ہوئے۔

قطعہ

شیخ رکن الدین ولی دو جہان   شد چو زین دارالفنا سوئے بقا
رحلتش دان پاک رکن العارفین   نیز نور عین رکن الاولیاء

۷۳۵ھ   ۷۳۵ھ

شیخ حمید الدین ابوحاکم قریشی الهنکاری علیہ رحمتہ اللہ الباری

آپ شیخ رکن الدین ابوالفتح ملتان رحمتہ اللہ علیہ کے خلیفہ ہیں۔ ان سے فیض و فائدہ اٹھایا اور "سلطان التارکین" کا لقب ملا۔ آپ کی نسبت آبائی چند واسطوں سے حضرت خاتم النبوت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی

ابوسفیان بن حارث رضی اللہ تعالیٰ عنہ تک پہنچتی ہے۔ اس کی تفصیل یوں ہے۔

شیخ حمید الدین بن سلطان بہاء الدین بن سلطان قطب الدین بن سلطان رسید الدین بن سلطان ابوعلی بن شیخ المشائخ شیخ موسیٰ ہنکاری بن شیخ محمد ہنکاری بن شیخ یوسف ہنکاری بن شیخ شریف عمر بن شیخ شریف عبدالوہاب بن ابوسفیان بن حارث قریشی رحمتہ اللہ علیہم اجمعین۔

آپ کے دادا سلطان قطب الدین کیچ مکران کی ریاست کے بادشاہ تھے۔ آپ کے نانا سید احمد توختہ ترمذی ثم لاہوری تھے' جن کا ذکر خیر "حضرات متفرقات" کے ضمن میں ہوگا۔

حضرت سید احمد توختہ ترمذی اپنے وطن مالوف سے لاہور کی سمت روانہ ہوئے تو ان کے ساتھ ان کی اہلیہ اور دو صاجزادیاں بی بی ہاج اور بی بی تاج تھیں۔ راستے میں کیچ مکران کے شہر پہنچے تو بی بی ہاج کی شادی شاہزادہ بہاء الدین بن سلطان قطب الدین سے کر دی۔ اس پاک دامن بی بی کے بطن سے سلطان جمال الدین اور سلطان التارکین ابوالغیث حمید الدین حاکم قدس سرہ پیدا ہوئے۔ سلطان التارکین اپنے دو بھائیوں سے چھوٹے تھے۔ ابھی آپ کی عمر تین سال تھی کہ آپ کی والدہ ماجدہ فوت ہوگئیں۔ سلطان قطب الدین نے بھی وفات پائی۔ ان کے والد سلطان بہاء الدین کیچ مکران کے حاکم بنے۔ دس سال تک بادشاہی کی۔ بعد میں جذب حقیقتی کی بنا پر سلطنت چھوڑ دی اور ظاہری مملکت اپنے چھوٹے بھائی سلطان شہاب الدین کے حوالہ کر کے فقیری اختیار کی۔ کعبہ شریف جا کر پہلے طواف بیت اللہ کیا۔ بعد میں روضہ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے مشرف ہوئے۔ مدینہ سے شہر یمن گئے' وہاں ٹھہرے۔ حالت تجرید و تفرید اختیار کر کے یاد حق میں مشغول

ہو گئے۔ دو سال اسی حال میں گزار دیے تو سلطان شہاب الدین نے وفات پائی۔ انہوں نے دو کم سن بیٹے چھوڑے۔ ایک امیر البقا' دوسرے ملک سرور۔ اس لیے ریاست کا اقتدار سلطان حمید الدین حاکم کو ملا۔ آپ نے ۲۱ سال تک نہایت عدل و انصاف سے حکومت کی۔ آخر سلطنت چھوڑ کر اپنی جگہ سلطان ابوالبقا کو اقتدار سونپا۔ اپنے وطن مالوف سے اپنی حرم محترم بی بی لطیفہ کے ساتھ توکل و تجرید کو اپناتے ہوئے لاہور کا رخ کیا۔ لاہور میں اپنے نانا حضرت سید احمد توختہ ترمذی کی خدمت میں حاضری دی' ان کے مرید ہوئے اور طریقہ عالیہ سکاریہ میں خرقہ خلافت حاصل کیا۔ سید احمد توختہ کا جب وقت وصال قریب آیا تو آپ نے فرمایا "بیٹا! تیرا باقی حصہ سلسلہ عالیہ سہروردیہ کے ایک عزیز کی جناب میں ہے"۔ چنانچہ نانا کی وفات کے بعد آپ شیخ شہاب الدین عمر سہروردی رحمتہ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ وہاں بشارت ملی کہ "تیرا حصہ شیخ رکن الدین ابوالفتح بن صدر الدین عارف بن شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی رحمتہ اللہ علیہ کے پاس ہے جن کی ولایت کا عہد ابھی نہیں آیا۔ حق تعالٰی سے امید ہے کہ تجھے عمر لمبی ملے گی' تو شیخ رکن الدین کا زمانہ پائے گا اور ان سے اپنا حصہ لے گا"۔

چنانچہ حضرت شیخ حمید الدین' شیخ شہاب الدین عمر سے یہ اشارہ پا کر ملتان تشریف لائے اور ایک طویل مدت تک شیخ رکن الدین کے عہد ولادت کے ظہور کا انتظار کرتے رہے۔ جب شیخ رکن الدین مسند مشیخت پر جلوہ افروز ہوئے تو ان کی خدمت میں گئے' بیعت کی اور کمالات ولایت تک پہنچے۔

ایک دن شیخ حمید الدین حاکم سے ملنے کے لیے سلطان غیاث الدین تغلق کا ایک وزیر آیا۔ اس نے دیکھا کہ آپ خانقاہ کے ایک کونہ میں بیٹھے اپنے ہاتھ سے خرقہ مبارک کا بخیہ کر رہے ہیں۔ وہ وزیر بیٹھا رہا اور دل میں

سوچا کہ اس فقیر کی جو تعریف سنی تھی اس کا عشر عشیر بھی نہیں پایا یہ تو محض فقیر بے نوا ہے جو اپنا خرقہ سی رہا ہے۔ آپ نور باطن سے اس کے خیال سے واقف ہو گئے۔ آپ نے اپنے سر کی ٹوپی ذرا ٹیڑھی کی۔ اس کے ساتھ ہی اس وزیر اور اس کے ہمراہیوں کے چہرے ٹیڑھے ہو گئے۔ اس نے اپنے قصور کی معافی مانگی۔ سب لوگ شیخ کے قدموں میں گر پڑے۔ آخر آپ نے رحم فرمایا' اپنی ٹوپی سیدھی کی' اس کے ساتھ ہی ان کے چہرے بھی سیدھے ہو گئے۔

صاحب "رسالہ حمیدیہ" شیخ جمال الدین اوچی بیان کرتے ہیں کہ ایک دن دن ایک درویش شیخ حمیدالدین کی خدمت میں آیا۔ اس وقت شیخ کے ایک خادم کو باؤلے کتے نے کاٹا تھا۔ اس کی حالت بہ سبب دیوانگی بہت بری تھی۔ شیخ اس کی غم خواری اور تیمار داری میں مصروف تھے۔ اس آنے والے درویش کے دل میں یہ خیال گزرا کہ عجیب بات ہے کہ شیخ حمید الدین اتنے صاحب کمال ہوں اور ان کا مرید محض باؤلے کتے کے کاٹنے سے قریب الموت ہو چلا ہو۔ شیخ نور باطن سے اس کے خیال سے واقف ہوئے۔ آپ نے اس دیوانے خادم کو فرمایا "تجھے دیوانے کتے نے کاٹا ہے تو زخم کی جگہ پر اپنا لعب دہن لگا تو ٹھیک ہو جائے گا۔ میری دعا ہے کہ تو اور تیری اولاد قیامت کے دن تک جب بھی اپنا لعاب دہن دیوانے کتے کے کاٹنے سے ہونے والے زخم پر لگائے گی تو مریض شفا پائے گا"۔ خادم نے ایسے ہی کیا۔ اسی وقت تندرست ہوا۔ اس کے بعد وہ اور اس کی اولاد اس فیض سے بہرہ ور ہوئے۔

ولادت: شیخ حمید الدین کی ولادت باسعادت شیخ شہر اللہ صاحب "تذکرہ حمیدی" کے بقول ۱۲ ربیع الاول ۵۷۰ھ ہے۔

وفات: آپ نے ۲۲ ربیع الاول ۷۳۷ھ میں وفات پائی۔ آپ کی عمر شریف ۱۶۷ سال تھی۔ خاندان سہروردیہ کے بزرگوں میں سے کسی نے بھی اتنی لمبی عمر نہیں پائی۔

قطعہ

ارتحال آن شہ روئے زمین   باز خوان "زاہد شہنشاہ جہان"
۷۳۷ھ

رحلت آن ساکن خلد برین   از خرد "مخدوم والی" شد عیان
۷۳۷ھ

شیخ وجیہہ الدین عثمان سیاح سنامی قدس سرہ

آپ شیخ رکن الدین ابوالفتح سہروردی ملتانی رحمتہ اللہ علیہ کے مرید ہیں۔ آپ کے والد قاضی حمید الدین منہاج تھے۔ شروع میں بہت پریشان حال تھے۔ سنام سے دہلی آئے تاکہ سلطان کی نوکری کریں۔ آپ محرری کی ملازمت کے لیے بہت بھاگ دوڑ کرتے رہے۔ ایک دن دریا کی طرف جانے کا اتفاق ہوا تو دیکھا کہ شیخ رکن الدین نماز پڑھ رہے ہیں۔ ان کی محبت کی کشش نے اپنی طرف کشش کی اور یوں کھنچ کر شیخ کے پاس آئے۔ شیخ نماز سے فارغ ہوئے تو انہوں نے اپنا سر آپ کے قدموں پر رکھا' مرید ہوئے اور تمام کاموں اور دنیاوی بوجھ سے نجات پائی۔ شیخ کے ہمراہ دہلی سے ملتان گئے۔ اپنی تربیت مکمل کی' خرقہ خلافت پایا۔ آپ تجرید و تفرید میں یگانہ روزگار ہوگئے۔ ایک تہہ بند کے سوا آپ کے اس اسباب دنیا میں سے کچھ نہ تھا۔ درویشوں کے پاس کبھی لوٹا یا عصا ہوتا ہے آپ کے پاس وہ بھی نہ تھا۔ خرقہ خلافت مل گیا تو ملتان سے اجازت لے کر روئے زمین کی سیاحت کے لیے

نکل کھڑے ہوئے۔ بیت اللہ' مدینہ منورہ اور بیت المقدس جیسے مقامات انبیاء و اولیاء کی زیارت سے مشرف ہوئے۔ روئے زمین کے بہت سے مشائخ سے نعمت وافر حاصل کی۔

ایک دن آپ بیت اللہ کا طواف کر رہے تھے۔ گرمی کا موسم تھا۔ حضرت خضر علیہ السلام نے ان پر سایہ کیا بہت معذرت کی۔ حضرت خضر علیہ السلام نے اپنا لباس مع دستار کے آپ کو پہنایا اور کہا "دہلی میں خواجہ نظام الدین کی خدمت میں جا کر آرام کرو" آپ ان کے کہنے کے مطابق دہلی آئے۔ حضرت سلطان المشائخ نے آپ کا بہت احترام کیا' اپنے پاس جگہ دی۔ شیخ وجیہہ الدین نے خاندان چشت سے بھی فیض کامل حاصل کیا۔ آپ صاحب حالت وجد و سماع ہوئے۔

سلطان غیاث الدین تغلق سلطان قطب الدین کے قاتل خسرو خان کے قتل کے بعد دہلی کے تخت پر متمکن ہوا تو اس نے سماع کو بند کرنے کا تاکیدی حکم نافذ کیا۔ اس نے فرمان جاری کیا کہ کوئی گویا اور قوال کسی صوفی کے سامنے نہ گائے ورنہ اس کے منہ سے زبان کھینچ لی جائے گی۔ علماء دہلی نے بھی حضرت سلطان المشائخ نظام الدین کے سماع کے خلاف ایک محضر لکھا۔ چنانچہ ہنگامہ سماع بالکل سرد ہوگیا۔ کسی قوال کو یہ جرات نہ تھی کہ نغمہ سرائی کے لیے زبان کھولے۔ اسی دوران ایک دن میر حسن قوال شیخ عثمان سیاح کی خدمت میں حاضر ہوا۔ شیخ نے ازراہ شوق و ذوق سماع کی التجا کی کہ آہستہ سے کوئی بیت یا شعر جو پراثر ہو میرے کان میں پڑھو۔ امیر حسن نے دروازہ بند کر دیا اور آہستہ سے گانا گانا شروع کیا۔ پہلے یہ شعر پڑھا ۔

زاہد زدین بر آمد و ملا ز استماع　　کافر محمدی شد و صوفی چنانکہ ہست

یہ شعر سنتے ہی شیخ کو بے اختیار وجد آگیا۔ آپ اٹھے دروازہ کھول دیا

اور کہا بلند آواز سے پڑھو۔ جب سماع کی آواز باہر آئی تو ہزارہا صوفی اہل سماع آ گئے۔ ان کے وجد سے غوغائے عظیم برپا ہوگیا۔ دہلی اور تغلق آباد کے مابین ایک فرسنگ کا فاصلہ ہے۔ اس پورے علاقہ میں اہل حال و تضرع جمع ہوگئے۔ حتیٰ کہ یہ خبر سلطان تک پہنچی تو فرمایا "سلطان قطب الدین کو قتل کرنے کے بعد خسرو خان نمک حرام نے بادشاہی خزانہ صوفیوں پر تقسیم کر دیا تھا۔ ہر صوفی کو کئی کئی لاکھ تنکہ ملے تھے۔ وہ رجسٹر لے آؤ تاکہ ہم دیکھیں کہ شیخ عثمان سیاح نے کتنے لاکھ تنکہ شکرانہ کے طور پر لیے تھے تاکہ میں فوراً ان سے واپسی کا مطالبہ کروں۔ اس لیے کہ اس نے ہمارے حکم کی خلاف ورزی کی ہے" جب خسرو خان کی وہ فائل لائی گئی' سلطان نے ملاحظہ کیا تو معلوم ہوا کہ شیخ عثمان نے اس وقت کوئی شکرانہ نہیں لیا تھا بلکہ واپس کر دیا تھا۔ اس بات سے سلطان بہت خوش ہوا۔ شیخ کو اپنے پاس بلایا' نان و شیر کی دعوت کی۔ قوالوں کو بھی انعام وافر مقدار میں دیا۔ شیخ تین دن تک سلطان کے مہمان رہے۔ ہنگامہ سماع گرم رہا۔ سماع کی ممانعت کے بارے میں جاری شدہ فرمان بھی منسوخ ہوگیا۔

وفات: اس جامع الکمالات ہستی کی وفات ۷۳۷ھ میں ہوئی۔

قطعہ

چون سفر کرد حضرت عثمان از جہان فنا بخلد برین
عقل "مخدوم اولیاء" فرمود سال ترحیل آں شہ حق بین

۷۳۷ھ

شیخ صلاح الدین درویش چشتی و سہروردی قدس سرہ

آپ شیخ صدر الدین خلف شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی رحمتہ اللہ علیہ کے

مرید اور خلیفہ تھے۔ آپ کے دادا عالی مرتبہ بزرگ تھے۔ شیخ صلاح الدین، شیخ نصیرالدین محمود چراغ دہلوی رحمتہ اللہ علیہ کے ہمسایہ، مصاحب اور معاصر تھے۔ آپ نے خاندان چشت سے بھی فیض کامل حاصل کیا۔ سلطان محمود بن غیاث الدین تغلق کی طرف سے مشائخ عظام کو جو تکلیفیں پہنچتی تھیں، آپ اس سلطانی سیاست کو خاطر میں نہیں لاتے تھے، بلکہ بادشاہ کے ساتھ سخت باتیں کرتے۔

آپ خلافت سہروردیہ کا ملتان سے خرقہ لینے کے بعد دہلی آئے، وہیں رہے اور وہیں پر وفات پائی۔ آپ کا مزار شیخ نصیرالدین محمود چراغ دہلوی رحمتہ اللہ علیہ کے مقبرہ کے پاس ہے۔

ایک دن ایک جوان ایک خوش رفتار گھوڑے پر سوار جا رہا تھا۔ اس نے اچانک گھوڑے کو تازیانہ مارا۔ گھوڑے کی سرین پر اس زخم کا نشان لگ گیا۔ شیخ صلاح الدین اس نوجوان پر ناراض ہوئے اور تیز نگاہوں سے اسے دیکھا۔ وہ گھوڑے سے فوراً زمین پر گر گیا اور بے ہوش ہوگیا۔ جب لوگوں نے دیکھا تو اس تازیانہ کا زخم شیخ کی سرین پر نمایاں تھا۔

وفات: شیخ صلاح الدین ۷۴۰ھ میں اپنے خالق سے جا ملے۔

قطعہ

رفت چون زین دہر در دار القدم — مقتدائے دین صلاح الدین ولی

ہم "صلاح الدین ولی بحر کرم" — از "خلیق" آمد عیان تاریخ او

۷۴۰ھ — ۷۴۰ھ

شیخ علاء الدین ملتانی قدس سرہ

آپ شیخ صدر الدین عارف بن بہاء الدین زکریا ملتان رحمتہ اللہ علیہ

کے عظیم خلفاء میں سے ایک ہیں۔ آپ بہت بڑے عابد و زاہد تھے، متقی تھے، علوم ظاہری و باطنی کے ماہر تھے۔ کرامت و خوارق میں مشہور تھے۔ اپنے پیر کے یہاں بہت عزت تھی۔ انہوں نے آپ کو "محبوب اللہ" کے خطاب سے مخاطب فرمایا۔ آپ کا سید جلال الدین مخدوم جہانیاں سے رابطہ اتحاد و محبت کمال درجہ کا تھا۔

وفات: ۷۴۰ھ میں وفات پائی۔

قطعہ

گشت روشن چو در بہشت برین مثل مہر مبین علاء الدین
لفظ "نصرت" بخوان تاریخش نیز "شاہ کبیر علاء الدین"
۷۴۰ھ ۷۴۰ھ

سید میر ماہ سہروردی بن سید نظام قدس سرہ

آپ اپنے زمانہ کے کامل ولی اور بزرگ تھے۔ صاحب اسرار تھے۔ آپ کے والد سید نظام الدین ہلاکو خان کے واقعہ میں بغداد سے ہندوستان آئے۔ اور قصبہ بہرائچ میں سکونت اختیار کی۔ آپ کے صاحبزادے میرماہ علوم ظاہری حاصل کرنے کے بعد شیخ الشیوخ شہاب الدین رحمتہ اللہ علیہ کے خلیفہ کامل میر سید علاء الدین جادری رحمتہ اللہ علیہ کی خدمت میں پہنچے جو شیخ نظام الدین سلطان المشائخ بداونی کے ہم عصر تھے۔ کمالات و مقامات بلند پر پہنچے۔ سید اشرف جہانگیر سمنانی چشتی سے بھی فیض حاصل کیا۔

سید میرماہ کا ایک بیٹا سید تاج تھا۔ وہ ولی کامل تھا مگر اس نے اپنی ولایت کو شراب نوشی میں چھپا رکھا تھا۔ چنانچہ "معارج الولایت" میں لکھا ہے۔ ایک بار امیر سید ماہ سخت بیمار ہوئے تو سید تاج نے کمال بلند ہمتی کا مظاہرہ کرتے

ہوئے اپنے والد کی بیماری خود اپنے ذمہ لے لی اور وفات پائی۔ یوں اپنے باپ پر نثار ہو گیا۔ ادھر میر ماہ نے صحت پائی ایک رات میر ماہ کے دل میں خیال گزرا کہ میرے بیٹے کا وفات کے بعد کیا حال ہوا ہو گا۔ اتفاق سے اسی رات سید تاج کی قبر کے پاس ایک مجاور سویا ہوا تھا کہ یہ بیت اس کے ہاتھ پر سبز رنگ میں لکھا ہوا ظاہر ہوا اور جب تک وہ مجاور زندہ رہا یہ تحریر محو نہ ہوئی۔

بگو اے مرغ زیرک حمد مولا   کہ جان تاج مہ بر عرش بر دند

وفات: آپ نے بقول صاحب "معارج الولایت" ۷۷۲ھ میں وفات پائی۔ آپ کا مزار پر انوار قصبہ بہڑائچ میں زیارت گاہ عوام و خواص ہے۔ آپ نے بہت لمبی عمر پائی۔ چنانچہ آپ شیخ نصیر الدین محمود چراغ دہلوی رحمتہ اللہ علیہ کے زمانہ سے لے کر سید اشرف جہانگیر سمنانی کے دور تک زندہ رہے۔

قطعہ

چوں شد میر مہ در بہشت بلند   بہ ترحیل آن شاہ روشن یقین
"یکی پیر مہتاب سید بگو"   دگر کن رقم "ماہ روشن یقین"
۷۷۲ھ   ۷۷۲ھ

شیخ حاجی چراغ ہند رحمتہ اللہ علیہ

شیخ رکن الدین ابو الفتح ملتانی رحمتہ اللہ علیہ کے عظیم القدر خلفاء میں آپ کا شمار ہوتا ہے۔ صاحب مقامت بلند تھے۔ آپ سے کئی کرامات صادر ہوئیں۔ اپنے پیر روشن ضمیر سے خرقہ خلافت حاصل کرنے کے بعد ظفر آباد کی ولایت میں مامور ہوئے۔ وہاں پہنچ کر مخلوق الہی کی راہنمائی میں مصروف ہو گئے۔ چنانچہ بہتوں نے آپ سے استفادہ کیا اور قرب حق حاصل کیا

نوٹ: آپ کا شیخ کبیر سید اشرف جہانگیر سمنانی کے مرید کے خلاف بد دعا کرنا کہ جوانی میں مرو اور شیخ کبیر کا آپ کے خلاف بددعا کرنا کہ میری موت سے پانچ سال پہلے مرے یہ قصہ ہم تفصیل سے حضرت سید اشرف کے مناقب میں مخزن اہل چشت میں لکھ آئے ہیں۔

وفات: آپ نے ۷۷۴ھ میں وفات پائی۔ آپ کا مزار پرانوار ظفر آباد میں ہے۔

قطعہ

رفت چون از جہاں بخلد برین	حاجی اہل دین سراج الہند
جلوہ گر گشت سال تاریخش	"اہل دین نور دین سراج الہند"

۷۷۴ھ

میر سید جلال الحق و الدین المقلب بہ مخدوم جہانیاں بخاری علیہ الرحمتہ الباری

آپ شیخ سید جلال الدین شریف اللہ سرخ بخاری اوچی رحمتہ اللہ علیہ کے پوتے ہیں۔ آپ سید احمد کبیر کے صاحبزادے ہیں۔ سید صدر الدین راجو قتال آپ کے حقیقی بھائی ہیں۔

آپ مادر زاد ولی تھے۔ بچپن سے ہی آپ کی پیشانی پر بزرگی کی علامتیں جلوہ گر تھیں۔ چنانچہ حضرت مخدوم سات سال کے تھے کہ اپنے والد کے ساتھ شیخ جمال الدین خنداں رو کی خدمت میں گئے۔ ان کی دست بوسی کا شرف حاصل کیا۔ اس وقت شیخ کے پاس ایک تھال میں کھجوریں رکھی تھیں۔ فرمایا کہ انہیں حاضرین میں تقسیم کر دیا جائے۔ جب مخدوم کو حصہ ملا تو انہوں نے گٹھلیوں سمیت کھجوریں کھانی شروع کر دیں۔ شیخ جمال یہ دیکھ کر

مسکرائے اور فرمایا "یا سید! کیوں گٹھلیوں سمیت کھجوریں کھا رہے ہو؟"
مخدوم اگرچہ بہت کم سن تھے مگر برجستہ جواب دیا "وہ کھجوریں جو آپ کے
دست مبارک سے نصیب ہوں ان کی گٹھلیاں بھی نہیں پھینکنی چاہئیں اس
لیے کہ وہ بھی فیض و برکت سے خالی نہیں ہوتیں" یہ سن کر شیخ جلال بہت
خوش ہوئے۔ آپ کے حق میں دعائے خیر کی اور فرمایا "بابا! تم وہ بیٹے ہو کہ
جو اپنے خاندان اور مشائخ عظام کے خاندان کا نام روشن کرو گے"۔

صاحب "اخبار الاخیار" فرماتے ہیں کہ "مخدوم جہانیاں پہلے اپنے والد
کے مرید تھے۔ بعد میں اپنے چچا شیخ صدر الدین المشہور محمد غوث سے خرقہ
خلافت و تبرک حاصل کیا۔ پھر شیخ رکن الدین ابوالفتح ملتانی سہروردی رحمتہ
اللہ علیہ کی خدمت میں آئے۔ ان سے خرقہ خلافت کیا۔ شیخ الاسلام سند
المحدثین شیخ عفیف الدین عبداللہ المطری سے مدینہ منورہ میں کلام ارادت
اور خرقہ خلافت حاصل کیا۔ دو سال تک آپ کے ساتھ رہے۔ ان کے پاس
رہ کر "عوارف" اور سلوک کی دیگر کتب پڑھیں۔ طریقت سیکھی اور تلقین
ذکر لی۔ شیخ عفیف الدین نے فرمایا "تمہاری قینچی گارزون شہر میں ہے وہاں
جاؤ"۔

آپ گارزون پہنچے تو شیخ الاسلام شیخ امین الحق گارزونی رحمتہ اللہ علیہ
نے اپنے بھائی شیخ امین الدین سے فرمایا:

"سید جلال الدین بخاری اوچی نے میری ملاقات کا قصد کیا تھا مگر راستہ
میں شیطان نے یہ جھوٹ بولا کہ شیخ امین الدین فوت ہوچکا ہے۔ اس لیے وہ
مکہ معظمہ چلا گیا۔ اب وہ شیخ عفیف الدین کے اشارہ کے بموجب یہاں
آئے گا۔ چوں کہ میری زندگی میں اس کا یہاں پہنچنا مقدر نہیں ہے اس لیے
تم اسے میرا سلام کہنا اور میرا سجادہ اور قینچی اسے دینا۔ اسے میرا خلیفہ

سمجھنا۔ قینچی اور سجادہ جو تمہارا حق ہے وہ لے اور خرقہ خلافت میری طرف سے تجھے ملے گا"۔

چنانچہ مخدوم کچھ مدت گارزون میں مقیم رہے اور شیخ امین الدین سے فیوض و برکات حاصل کیں۔ خرقہ خلافت پایا۔ پھر وہاں سے مصر شام' عراقین' بلخ' بخارا اور خراسان کا سفر کیا۔ بہت سے مشائخ کبار سے استفادہ کیا۔ آپ نے بارہا حج کیا۔ چھ دفعہ تو حج اکبر کیا۔ سلطان محمد تغلق کے دور میں شیخ الاسلامی اور سند خانقاہ محمدی ملی۔ سہوستان میں بہت سے مضافات (دیہات) آپ کے لیے مخصوص ہو گئے۔

حضرت مخدوم کی مکہ معظمہ کے روشن الضمیر پیر اور امام صاحب اکرام شیخ امام عبداللہ یافعی رحمتہ اللہ علیہ کے ساتھ بہت مجلس رہی۔ ایک بار حضرت امام نے بیت اللہ میں مخدوم سے فرمایا "اگرچہ اس وقت دہلی میں اہل درویش فوت ہو چکے ہیں تاہم ان سب کی برکت کا اثر نصیر الدین محمود رحمتہ اللہ علیہ میں موجود ہے۔ وہی دہلی کے چراغ ہیں۔ ان کی صحبت میں جانا چاہیے"۔ اسی گھڑی حضرت مخدوم نے دہلی کی طرف جانے کا عزم کیا۔ بالاخر شیخ نصیر الدین رحمتہ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حضرت دہلوی نے آپ کو دیکھ کر فرمایا "حضرت مخدوم نے امام عبداللہ یافعی رحمتہ اللہ علیہ کی راہنمائی پر میرے بارے میں حسن ظن قائم کر لیا یوں اس فقیر پر نوازش فرمائی"۔ مخدوم نے جواباً" کہا "امام عبداللہ یافعی رحمتہ اللہ علیہ پر اللہ کی رحمت ہو جنہوں نے مجھے حصول دولت عظمیٰ کے لیے اس عظیم بارگاہ میں بھیجا"۔ آخرکار شیخ نصیر الدین نے بھی خاندان چشت اہل بہشت کا خرقہ خلافت حضرت مخدوم کو عطا فرمایا اور نوازشیں کیں۔

جاننا چاہیے کہ مخدوم جہانیاں کو چاروں سلسلوں میں خلافت ملی۔ آپ

نے دو بار دنیا بھر کی سیر کی۔ یوں سینکڑوں فقراء اور مشائخ کی زیارت کا موقعہ ملا' ان سے برکت لی' کلاہ و خرقہ خلافت ملا۔ آپ کو سب سلسلوں سے زیادہ سلسلہ عالیہ قادریہ سے محبت و عقیدت تھی۔ حضرت مخدوم کے ملفوظات کی کتاب "خزانہ جلالی" میں لکھا ہے۔

شیخ محی الدین غوث الاعظم عبدالقادر جیلانی قدس سرہ فرماتے ہیں کہ:

"طوبیٰ لمن رانی و لمن اراء من ارانی" قطب الکونین اور غوث الدارین کا یہ ارشاد بجا ہے۔ میں بھی امید کرتا ہوں اس سچے کلام کے بموجب حق تعالیٰ مجھ پر رحمت کرے کہ میرا سلسلہ شیخ بہاء الدین زکریا ملتان رحمتہ اللہ علیہ کے ایک واسطہ سے (دیگر بلا واسطہ) شیخ الشیوخ شہاب الدین سہروردی تک پہنچتا ہے اور شیخ شہاب الدین نے حضرت غوث الاعظم قدس اللہ سرہ العزیز کی زیارت کی ہے اور حضرت سے آپ کو خرقہ ملا ہے۔

حضرت میر سید اشرف جہانگیر سمنانی قدس سرہ "لطائف اشرفی" میں بیان کرتے ہیں کہ میں اکثر بزرگوں کے ساتھ رہا ہوں۔ متاخرین میں سے کسی بزرگ سے اتنے حقائق و معارف' دقائق و عوارف اور کشف و کرامت و خوارق صادر نہیں ہوئے جتنے مخدوم جہانیاں سے صادر ہوئے۔ چونکہ اس فقیر کو سب سے بڑھ کر آپ کے ساتھ رہنے کا شرف حاصل رہا ہے اس لیے میں نے آپ کے مقامات و درجات اور قطبیت و غوثیت کے انوار مشاہدہ کیے ہیں۔ میں آپ کے حکم کے مطابق پہلی بار جب آپ کی خلوت میں گیا تو میں نے آپ کے اعضاء مبارک کو سات جگہ الگ الگ پڑا دیکھا کہ ہر عضو علیحدہ علیحدہ' اللہ تعالیٰ کی ثنا میں مشغول تھا۔ یہ دیکھ کر مجھے وہم سا ہوا تو آپ اصل حالت میں واپس آ گئے اور فرمایا "یہ مقام تجھے مبارک ہو"۔ دوسری بار جب میں آپ کی خلوت میں گیا تو انوار الٰہی کی تجلی سے آپ کا جسم

مبارک اس طرح مجسم ہوچکا تھا کہ تمام حجرہ آپ کے وجود سے پر نظر آتا تھا۔ اس کے ساتھ ہی در و دیوار کے تمام سوراخوں سے گوشت باہر نکل رہا تھا۔ میں دروازے پر کھڑا رہا۔ ایک ساعت بعد آپ اصل حالت میں واپس آئے اور فرمایا کہ "یہ مقام بھی تجھے مبارک ہو"۔

صاحب "معارج الولایت" فرماتے ہیں جب سید اشرف جہانگیر سمنانی کے مرشد شیخ علاء الدین قطب بنگالی چشتی' بنگال میں حالت نزع میں پہنچے تو انہوں نے اپنے احباب و اصحاب سے فرمایا کل میری نماز جنازہ سید مخدوم اوچ کے سوا کوئی نہ پڑھائے۔ اصحاب حیران ہوئے کہ اب تو مخدوم خطہ اوچ میں ہیں وہ کیسے شیخ کے جنازہ میں تشریف لاسکتے ہیں۔ شیخ نے وفات پائی۔ ان کا جنازہ اٹھایا گیا تو حضرت مخدوم وہاں ظاہر ہوئے۔ نماز جنازہ کی امامت کی بلکہ شیخ نور قلب العالم کی تربیت کے لیے چند دن وہاں قیام بھی فرمایا اور خود انہیں سجادہ پر بٹھایا۔ نعمت و برکت دینے کے بعد حضور تشریف لے گئے۔ وہاں کے والی نے معززین کے ساتھ آپ کا استقبال کیا اور مرید ہوگیا۔

صاحب "انوار اعظمیہ" و انیس القادریہ فرماتے ہیں کہ ایک دن حضرت مخدوم اپنی خانقاہ میں تشریف فرما تھے کہ اچانک گھاس کے ایک ڈھیر کو آگ لگ گئی۔ بہت بڑا شعلہ نمودار ہوا۔ حضرت مخدوم نے اپنی مٹھی میں مٹی لی اور اونچی آواز سے "یا شیخ عبدالقادر سید محی الدین جیلانی" پڑھا۔ مٹی پر دم کیا' آگ پر مٹی پھینکی' آگ یکدم بجھ گئی۔

سلطان فیروز کا وزیر' خان جہان مرزا حضرت مخدوم کا عقیدت مند نہ تھا۔ حالانکہ سلطان فیروز خود آپ کا مرید و معتقد تھا۔ ایک نو۔سندہ (کلرک) کے بیٹے کو کسی وجہ سے "خان جہان" نے قید کر لیا اور اسے سخت اذیت پہنچائی۔ نو۔سندہ نے حضرت مخدوم کی طرف رجوع کیا۔ حضرت نو بار' خان

جہان کے گھر تشریف لے گئے مگر اس نے اندر نہ آنے دیا۔ جب آپ دسویں بار گئے تو خان جہان نے ایک خادم کی زبانی کہلوا بھیجا کہ "اے سید! تجھے شرم نہیں آتی کہ بار بار آ رہے ہو حالانکہ میں تجھے اپنے گھر میں نہیں آنے دیتا۔ مگر تم ہو کہ اس کے باوجود تکلیف و مشقت اٹھاتے ہو" حضرت مخدوم نے جواب دیا "خان جہان سے کہو کہ میں جو بار بار آتا ہوں اس سے مجھے بالکل ذہنی کوفت نہیں ہوتی کہ اس کا اجر و ثواب مجھے اللہ تعالیٰ سے ملے گا۔ اگرچہ اس سائل کا مسئلہ حل نہیں ہو رہا مگر تو عذاب کا مستحق ہو رہا ہے۔ میں تو چاہتا ہوں کہ اس مظلوم کا کام بھی بن جائے اور تو بھی بارگاہ الٰہی میں سرخرو ہو جائے گا"۔ خان جہان نے یہ بات سنی تو بہت متاثر ہوا۔ اپنا سر ننگا کیا' گلے میں رسی ڈالی اور عاجزی و انکساری کے ساتھ حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا۔ کئی بار معذرت چاہی۔ پھر اس مظلوم کو کپڑوں کا جوڑا دے کر قید سے رہا کیا۔ آپ کی خدمت میں بہت بڑا نذرانہ پیش کیا۔ آپ کا مرید ہو گیا۔ حضرت مخدوم نے وہ سارا نذرانہ اس مظلوم کو عطا فرمایا۔ یوں اسے مالدار کر دیا۔

صاحب اخبار الاولیاء فرماتے ہیں کہ "ایک بار عید کی رات (چاند رات) حضرت مخدوم شیخ الاسلام بہاء الدین ملتانی رحمتہ اللہ علیہ کے روضہ عالیہ پر تشریف لے گئے اور "عیدی" کی درخواست کی۔ آواز آئی کہ عیدی یہی ہے کہ حق تعالیٰ نے تجھے "مخدوم جہانیاں" کے خطاب سے مخاطب کیا ہے۔ آپ اس کے بعد شیخ صدر الدین کے مزار پر گئے اور یہی درخواست کی۔ وہاں سے بھی یہی جواب ملا۔ وہاں سے واپس ہوئے تو سنا کہ ہر کوئی آپ کو "مخدوم جہانیاں" کہہ کر پکار رہا ہے"۔

صاحب "خزانہ جلالی" آپ کے "مخدوم جہانیاں" کہلانے کی وجہ بیان

کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ ایک دفعہ شیخ رکن الدین ابوالفتح ملتانی رحمتہ اللہ علیہ اپنے دولت خانہ سے باہر تشریف لائے۔ اپنا قدم زینہ پر رکھا تو حضرت مخدوم نہایت پھرتی کے ساتھ سب سے نیچے زینہ کے نیچے لیٹ گئے تاکہ اپنے مرشد کا قدم مبارک ان کے سینہ پر پڑے۔ حضرت رکن الدین نے یہ دیکھ کر فرمایا "یا سید! دروازہ نبوت تو مکمل طور پر بند ہے باقی رہا رتبہ ولایت تو تم اس مقام پر پہنچے ہو کہ "مخدوم جہانیاں" بن چکے ہو"۔ یہ کہہ کر انہیں ہاتھ سے پکڑ کر کھڑا کر دیا' اپنے سینہ سے لگایا' نعمت عظمیٰ عطا کی۔ پس اس دن سے حضرت مخدوم "مخدوم جہانیاں" کے خطاب سے مخاطب ہونے لگے۔

ایک جن ملتان آ کر مسلمان ہوگیا۔ جامع مسجد میں علم پڑھنے میں مشغول ہوگیا۔ ایک دن اس نے اپنے آپ کو ایک شخص پر ظاہر کیا۔ مشہور ہوگیا کہ یہ شخص جن ہے اور تمام شہر والے اس سے ڈرتے ہیں۔ ایک دن یہ اطلاع حضرت مخدوم کو بھی ملی۔ آپ نے اسے بلوایا' نظر جلال سے اسے دیکھا۔ وہ اسی وقت پاؤں پر گر پڑا اور کہنے لگا "میں جل گیا' میں جل گیا" لوگ اس پر پانی گراتے مگر کچھ فائدہ نہ ہوا۔ بالآخر وہیں مر گیا۔

"اخبار الاولیاء" میں ہے ایک بار ماہ رمضان میں حضرت مخدوم اوچ کی جامع مسجد میں معتکف تھے۔ اہل صلاح و اہل فلاح بھی اس کام میں آپ کے ساتھ شامل تھے۔ پوری مسجد درویشوں اور عالموں سے بھری ہوئی تھی۔ ایک دن اوچ کا حاکم سومرو آپ کی زیارت کے لیے آیا۔ اسے آپ کے ارد گرد لوگوں کی بھیڑ پسند نہ آئی۔ اس نے چند درویشوں کے ہاتھ پکڑ کر ڈانٹ ڈپٹ کر زبردستی مسجد سے نکال دیا تاکہ اپنے لیے مجلس تنہائی کی جگہ بنائے۔ مخدوم نے یہ حال دیکھ کر فرمایا "سومرہ! تم دیوانہ ہوگئے ہو کہ درویشوں کو ستاتے ہو" جونہی یہ بات آپ کی زبان حق ترجمان سے نکلی سومرو دیوانہ

ہو گیا۔ اپنے کپڑے پھاڑ ڈالے۔ مسلوب العقل ہو کر مسجد سے نکل گیا۔ لوگوں کو پتھر مارتا اور بازاروں میں بالکل برہنہ ہو کر پھرتا۔ آخر بڑی مشکل سے اس پر قابو پایا گیا۔ اس کے پاؤں میں زنجیریں ڈالی گئیں۔ چند روز اس حال میں گزرے تو سومرہ کی عمر رسیدہ ماں حضرت کی خدمت میں آئی۔ اپنے بیٹے کی صحت کے لیے عرض کی' روئی پیٹی۔ آپ نے فرمایا "اسے لا کر نہلاؤ' نئے کپڑے پہناؤ۔ شیخ جمال الدین خندان رو کے مقبرہ کی زیارت کے لیے لے جاؤ۔ اس کے بعد میرے پاس لاؤ" ایسا ہی کیا گیا۔ جب سومرو نے آپ کو دیکھا تو صحت یاب ہوا۔ آپ کے قدموں پر سر رکھا' مرید ہو گیا اور حق کا طالب بن گیا۔

مولانا محمد شمس الدین اوچی کا بیان ہے کہ حضرت مخدوم کے آخری حج کے موقع پر میں بھی آپ کے ہمراہ تھا۔ آپ جہاز پر سوار ہوئے تو درویشوں کے دل میں خیال گزرا اگر مچھلی ہاتھ لگے تو ہم بھونیں اور اس کے کباب کھائیں۔ حضرت نے ان کے خیال سے واقف ہو کر فرمایا "ان شاء اللہ! تمہارے کبابوں کے لیے مچھلی ملے گی۔ اسی وقت دس من کی ایک مچھلی نے پانی سے چھلانگ لگائی' جہاز پر گری تو خادموں نے پکڑ لی۔ بھونی اور اس کے کباب جہاز کے تمام مسافروں میں تقسیم کر دیے۔ سرزمین عرب کا ساحل آیا تو آپ جہاز سے اترے' دارالاسلام جدہ شہر میں داخل ہوئے۔ ایک دن ام الخلائق بی بی حوا علیہا السلام کے مزار کی زیارت کے لیے تشریف لے گئے۔ اسی روز اتفاق سے حضرت حوا کے مزار کے قریب ایک تابوت لایا گیا۔ آپ نے لوگوں سے پوچھا کہ یہ کس کا تابوت ہے۔ بتایا گیا کہ یہ ایک بزرگ کا جنازہ ہے۔ ان کا نام شیخ بدرالدین یمنی تھا۔ آپ تیس سال تک حرمین شریفین میں مجاور رہے۔ کل مکہ سے جدہ آئے' نماز عصر کے بعد تلاوت

قرآن میں مشغول تھے کہ عین تلاوت قرآن کے دوران جان بحق ہو گئے۔ یہ سن پر آپ نے سر جھکا کر سوچا اور فرمایا "اس بزرگ کو دفن نہ کرو شاید کہ ابھی زندہ ہو" چنانچہ تابوت واپس شہر میں لے گئے۔ سمندر کے کنارے ایک مسجد میں تابوت رکھا، نعش سمندر سے نکالی اور مسجد کی صف پر رکھ دی۔ حضرت مخدوم نے حکم دیا کہ سب لوگ مسجد سے باہر چلے جائیں اور مسجد کا دروازہ مضبوطی سے بند کر دیں۔ آپ نے سب سے پہلے دو رکعت نماز ادا کی پھر تلاوت قرآن کرنے لگے۔ جب آیت **یخرج الحی من المیت و یخرج المیت من الحی** پر پہنچے شیخ بدرالدین کے جسم کو حرکت ہوئی۔ وہ اٹھے، آپ کے دست مبارک کو بوسہ دیا، آپ کے قدموں پر سر رکھا۔ آپ نے اپنا خاص لباس بدر الدین کو عطا فرمایا۔ مسجد کا دروازہ کھولا، چونکہ نماز عصر کا وقت ہو چکا تھا اس لیے آپ نے اذان کہی۔ شیخ بدرالدین نے جماعت کروائی۔ یہ عظیم کرامت دیکھ کر لوگوں میں ایک شور اٹھا۔ بہت سے لوگ آپ کے مرید و معتقد ہو گئے۔ وہاں سے آپ مکہ آئے۔ حج ادا کرنے کے بعد مدینہ منورہ پہنچے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ مطہرہ کے سامنے کھڑے ہو کر آپ نے باآواز بلند کہا "السلام علیک یا جد امجدی" روضہ مطہرہ سے جواب آیا "و علیک السلام یا ولدی قرۃ عینی" اس سے اہل مدینہ بھی آپ کی شرافت و کرامت کے معتقد ہو گئے۔ روضہ عالیہ نبویہ سے سلام کا جواب ملنے کی کرامت آپ کے جد بزرگوار شیخ سید جلال الدین سرخ شریف کو بھی حاصل تھی جس کا ہم پہلے ذکر کر آئے ہیں۔

ولادت: آپ کی ولادت ۷۰۷ھ میں ہوئی۔

وفات: آپ کی وفات بقول صاحب "اخبار الاخیار" ۷۸۵ھ میں ہوئی۔ یوں آپ کی عمر ۸۱ سال تھی۔ تاہم "اخبار الاخیار" کی رائے قرین قیاس ہے

جو چند اہل تواریخ کے اقوال کے مطابق ہے۔ شجرہ عالیہ سادات عظام بخاری میں بھی آپ کا یہی سن وفات اس فقیر کی نظر سے گزرا ہے۔ بہرحال دونوں قولوں میں ۳ سال کا فرق ہے۔ تاہم اس امر میں سب اہل تواریخ متفق ہیں کہ آپ کی ولادت ۱۴ شعبان شب برات کو ہوئی اور وفات ۱۰ ذی الحجہ بروز عیدالاضحیٰ واقع ہوئی۔ آپ کا مزار پر انوار خطہ ملتان کے مضافات میں "اوچ" کے مقام پر ہے۔

قطعہ

پیر کامل ولی جلال الدین قرۃٔ دیدۂ علی آمد

سال تولید آن شہ مخدوم از دلم "خادم نبی" آمد

۷۰۷ھ

سن وسال وصالش آن سرور "حامد و مہدی سخی" آمد

۷۸۸ھ

باز سال وصالش آن سرور "زاہد و پیر متقی" آمد

۷۸۵ھ

مخدوم شیخ اخی راجگیری قدس سرہ

آپ کا نام جمشید ہے۔ حضرت مخدوم جہانیاں رحمتہ اللہ علیہ کے خلیفہ تھے۔ حضرت آپ کو اخی کے خطاب سے یاد فرماتے تھے' لہٰذا اخی آپ کا خطاب پڑ گیا۔ آپ کا اصل وطن دریاباد کے پرگنہ کا موضع زہرا ہے۔ عنفوان جوانی میں آپ کو ضرب حق لگی۔ ترک و تجرید اختیار کی۔ مخدوم جہانیاں کی خدمت میں آ گئے۔ کئی سال تک تربیت پائی۔ آخرکار خرقہ خلافت ملا اور دیار قنوج کے صاحب ولایت ہوئے۔ اس طرف روانہ ہوئے۔ وہاں پہنچے تو عوام کا اژدحام اس قدر زیادہ تھا۔ اس لیے شہر قنوج کی رہائش آپ کو راس

نہ آئی۔ وہاں سے نکل کر دریائے گنگا کے کنارے موضع راجگیر کو وطن بنایا اور لوگوں کی راہنمائی میں مصروف ہو گئے۔

قصہ وفات: "معارج الولایت" میں ہے کہ پہلے شیخ اخی نے بروز منگل بتاریخ دہم شوال ۸۰۱ھ میں وفات پائی۔ جب غسل و کفن ہو گیا تو آپ کے گھر کی بیرونی (دیوار) نے گریہ و نواحہ شروع کر دیا اور کہا کہ افسوس اخی جمشید ولی کامل تھے مگر افسوس کہ آپ نے منگل کے دن' جو منحوس اور مجوسیوں کا دن ہے' وفات پائی۔ کاش کہ آپ اس دن نہ فوت ہوتے۔ مخدوم اخی نے فوراً کفن سے سر نکالا اور فرمایا "اگر تیرے نزدیک آج کا دن منحوس ہے تو میں آج منتقل نہیں ہوتا کل منتقل ہو جاؤں گا" چنانچہ ایک روز مزید زندہ رہے۔ اگلے دن گیارہ شوال اور بدھ کا دن ۸۰۱ھ تھا اس جہان پر ملال سے قرب ایزد متعال میں جا پہنچے۔

قطعہ

شد ز دنیا چو در بہشت برین سرور اتقیاء شہ جمشید

گفت سرور بسال تر حیلش "اکمل و اولیا شہ جمشید"

۸۰۱ھ

سید علم الدین پلاونی قدس سرہ

اپنے وقت کے بڑے بزرگ تھے۔ مالداری کے روپ میں اہل سلوک سے کسب سلوک کرتے تھے۔ آپ حضرت مخدوم جہانیاں رحمتہ اللہ علیہ کے کامل ترین خلیفہ تھے۔ مخدوم اخی راجگیری کے ساتھ ان کی صحبت رہی۔ سادات ترمذ میں سے تھے۔ میر سید کمال ترمذی' سلطان علاء الدین خلجی کے زمانہ میں ہندوستان آئے اور قصبہ کینتل کو وطن بنایا۔ ان کے ایک بیٹے (جو

سید علم الدین کے جد کلاں تھے) کینتل سے نکلے اور قنوج میں سکونت اختیار کی۔ ان کے صاحبزادوں نے تین جگہ رہائش رکھی۔ میر سید عبدالقادر حموی اور میر صدر جہان قنوج سے نکلے اور قصبہ بہاتی کو اپنا وطن بنایا۔ دوسرے بھائی قنوج میں رہے۔ میر سید علم الدین نے مخدوم اخی جمشید رحمتہ اللہ علیہ کے اشارہ سے جون پور کا عزم کیا اور سلطان ابراہیم کی نوکری کر لی۔ انہیں پٹہ پلاون کی جاگیر ملی، وہیں سکونت اختیار کی مگر ہندو قوم کے غلبہ کی وجہ سے سکون خاطر نہ تھا اس لیے مخدوم اخی جمشید راجیگیری سے مدد طلب کی۔ حضرت مخدوم قلعہ پلاون آئے، اسے مستحکم کیا اور دعا کی کہ سادات پلاون قیام قیامت تک یہیں رہیں۔

میر سید علم الدین میر سید اشرف جہانگیر سمنانی رحمتہ اللہ علیہ کے ہم عصر ہیں، بلکہ دونوں بزرگوں کا سال وفات ایک ہی ہے۔ باہمی خط و کتابت بھی تھی۔ باہمی محبت کا رابطہ بہت مضبوط تھا۔

وفات: آپ نے ۸۰۸ھ میں وفات پائی۔ آپ کا مزار پر انوار پلاون میں ہے۔

قطعہ

رفت از دنیا چو در خلد برین	علم دین آن عالم عامل ولی
گفت سرور و سال رحلتش	"عالم اسرار با علم نبی"

۸۰۸ھ

شیخ کبیر الدین اسماعیل سہروردی قدس سرہ

حضرت مخدوم جہانیاں رحمتہ اللہ علیہ کے پوتے، مرید اور خلیفہ تھے۔ ان کی وفات کے بعد حضرت سید صدر الدین راجو قتال کی خدمت میں حاضر ہو

کرانی تکمیل کی۔ آپ کو ولایت میں بلند مرتبہ حاصل تھا۔ کرامات میں مشہور تھے۔ شروع میں آپ کی عادت تھی کہ آدھی رات کے وقت' مخدوم جہان کے مزار کی زیارت کے لیے جاتے اور انگشت شہادت کے اشارہ سے روضہ کے دروازہ کا تالہ کھولتے۔ اندر جاتے' نماز تہجد پڑھتے' کلام اللہ کا ختم پڑھتے' باہر آتے پھر انگلی کے اشارہ سے تالہ بند کر دیتے۔ ایک رات ایک مجذوب نے یہ دیکھا تو اس نے تمام ماجرا سید راجو قتال کو بیان کر دیا۔ شیخ کبیرالدین نور باطن سے واقف ہوگئے لہٰذا سبق پڑھنے اور توجہ و برکات لینے کے لیے سید راجو کی خدمت میں نہ گئے۔ حضرت سید نے انہیں اپنے پاس بلوایا۔ بہت اعزاز و اکرام کیا۔

شیخ کبیر الدین کے دو فرزند تھے۔ عبدالشکور اور عبدالغفور۔ دونوں ظاہری اور باطنی جمال کے جامع تھے۔ علوم شریعت و طریقت کے عالم و عامل اور کامل و اکمل تھے۔ اپنے والد کے مرید تھے۔ ان سے ہی صوری و معنوی تربیت پائی۔ وفات کے دن دونوں بیٹوں کو پاس بلوایا' خرقہ خاص سے سرفراز کیا اور فرمایا "میرے بعد جب بھی تمہیں کوئی مشکل پیش آئے' میری قبر کے پاس آکر ظاہر کرنا تمہیں اس کا درست حل مل جائے گا" چنانچہ آپ کی وفات کے بعد ایسا ہی ہوا۔ جب دونوں صاحبزادوں کو کوئی مشکل یا مہم پیش آتی' اپنے والد گرامی کی قبر کے سرہانے آتے' فوراً ہی جواب مل جاتا۔

وفات: شیخ کبیر الدین نے ۸۲۵ھ میں وفات پائی۔

قطعہ

جلوہ گر چون گشت در خلد برین　　مہر عالم ماہ دین اکبر کبیر
از خرد جستم چو سال وصل او　　گفت ہاتف "شاہ دین اکبر کبیر
۸۲۵ھ

سید صدر الدین المعروف شیخ راجو قتال بخاری رحمتہ اللہ علیہ

اپنے والد بزرگوار سید احمد کبیر بن سید جلال الدین شریف اللہ سرخ بخاری اوچی رحمتہ اللہ علیہ کے عظیم خلیفہ ہیں۔ اپنے بھائی سید جلال الدین مخدوم جہانیاں سے بھی خرقہ خلافت و ارشاد ملا۔ مخدوم جہانیاں کی رحلت کے بعد مسند ہدایت و ارشاد پر بیٹھے۔ آپ علوم ظاہری وباطنی سے آراستہ تھے۔ زیور عشق و محبت سے پیراستہ تھے۔ کوئی بھی آپ کی نظر کی تاب نہ لاسکتا تھا۔ جو سامنے آتا' آپ کی عظمت کا اعتراف کرتا اور مرید ہو جاتا۔

آپ جو زبان سے نکالتے ویسے ہی واقعہ ہوتا۔ آپ مخلوق سے اس حد تک کنارہ کش تھے کہ مخدوم جہانیاں نے آپ کے بارے میں کئی بار فرمایا "حق جل وعلیٰ نے مجھے مخلوق کے ساتھ مشغول رکھا اور سید صدر الدین کو اللہ نے اپنے ساتھ مشغول رکھا"۔ آپ کا اللہ کے سوا کسی سے کوئی تعلق نہ تھا۔ حضرت مخدوم سے زیادہ تر لوگوں کو تعلق آپ کے واسطہ سے ہی ہے۔ اگرچہ بعض لوگ حضرت مخدوم کے صاحبزادے حضرت ناصرالدین محمد کے واسطہ سے بھی (حضرت مخدوم) تک متعلق ہیں۔

ایک دن آپ کے ایک صاحبزادے نے ایک خادم کی داڑھی کسی جرم کی سزا کے طور پر تراش دی۔ اس نے آپ کی خدمت میں آکر فریاد کی۔ آپ نے فرمایا "تسلی رکھو! وہ اپنی داڑھی اپنے ہاتھ سے تراشے گا"۔ صاحبزادہ نے اسی وقت حجام کو بلوایا' اپنے سامنے بٹھایا اور کہا "میری داڑھی مونڈھ ڈالو"۔ حجام ڈر گیا اور ہاتھ دھونے کے بہانے روپوش ہوگیا۔ جب حجام نہ آیا تو آپ کے صاحبزادے نے خود قینچی پکڑی' چہرہ کے سامنے آئینہ رکھا اور اپنی داڑھی پوری طرح تراش دی۔

حضرت مخدوم جہانیاں جب مرض موت میں مبتلا ہوئے تو بادشاہ کی

طرف سے اوچ کا تحصیل دار اور فارسی نویس شاہی نواہون آپ کی عیادت کے لیے آیا اور کہا "خدا تعالی وحدہ لاشریک کی ذات پاک حضرت مخدوم کو صحت دے کیونکہ حضرت مخدوم کی ذات پاک ختم الاولیاء ہے۔ جیسا کہ ذات والا درجات سرور کائنات علیہ السلام و الصلوۃ خاتم کل انبیاء ہیں۔ جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات پائی تو نبوت ختم ہوگئی' اسی طرح حضرت مخدوم کی وفات سے ولایت ختم ہوگئی"۔ جناب مخدوم نے جب یہ بات سنی تو سید راجن قتال سے فرمایا "تم نے سنا اس شخص نے کیا کہا؟ اگرچہ اس نے اس وقت اللہ تعالی کی توحید کا اور حضرت خاتم النبوت صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا اقرار کیا ہے اور شریعت مقدسہ کے حکم کے مطابق ایک مسلمان اگر پھر مرتد ہو جائے تو واجب القتل ہوگا"۔ سید راجن نے کہا "میں نے سنا"۔ چنانچہ حاضرین مجلس گواہ ٹھہرے اور نواہون سے کہا "اب تم مسلمان ہوچکے ہو۔ اسلام کا حکم تم پر جاری ہے۔ چاہیے کہ احکام اسلام کی ادائیگی کے پابند بنو" مگر چونکہ نواہون کو مسلمان ہونا منظور نہ تھا' راتوں رات اوچ سے بھاگ کھڑا ہوا۔ دہلی میں سلطان فیروز شاہ کی خدمت میں جا کر اظہار حال کیا۔ سلطان نے بھی ہر چند اسے اسلام کی ہدایت کی مگر کچھ اثر نہ ہوا۔ اس نے کہا "کچھ بھی ہو جائے میں مسلمان نہیں ہوں گا" چند دنوں بعد حضرت مخدوم کا انتقال ہوگیا۔ سید راجن قتال تجہیز و تکفین کے کام سے فارغ ہو کر اس مقدمہ کے تصفیہ کے لیے چشم دید گواہوں کے ساتھ دہلی کا رخ کیا۔ جب ان کے آنے کی خبر سلطان کو ملی تو اس نے علماء شہر کو اکٹھا کیا۔ اس بارے میں مشورہ لیا کہ حضرات کچھ اس قسم کا فتویٰ دیں کہ نواہون قتل سے بچ جائے اور سید صدر الدین بھی اس فتویٰ کو قبول کرلیں۔ آخر قاضی عبدالمقتدر کے بیٹے شیخ محمد نے جو ایک تیز طبع نوجوان تھے کہا: جب سلطان

سید راجن کے استقبال کے لیے تشریف لے جائیں تو باہمی ملاقات کے بعد پوچھیں کہ آپ نواہون کافر کے مقدمہ کے تصفیہ کے لیے تشریف لائے ہیں؟ پس اگر وہ فرمائیں کہ جی ہاں تو پھر ہم ان سے یہ بحث کریں گے اور بتائیں گے کہ خود آپ نے اسے کافر کہا ہے اب اسے کیسے مسلمان کہہ رہے ہیں اور اس پر اسلام کا حکم جاری فرما رہے ہیں؟ قاضی کو صاجزادہ کی یہ بات سلطان کو پسند آئی۔ چنانچہ حضرت سید کے استقبال کے لیے سلطان گئے۔ ملاقات کے بعد پوچھا کہ آپ نواہون کافر کے مسئلہ کے فیصلہ کے لیے تشریف لائے ہی۔ حضرت سید نے جواب دیا کہ ہاں برائے تصفیہ مقدمہ نواہون مسلمان آیا ہوں جس نے ہمارے اور دوسرے گواہوں کے سامنے اسلام کا اقرار کیا ہے۔ قاضی صاحب کے صاجزادہ شیخ محمد نے جو اس وقت موجود تھے کہا اس نے جیسا کہ ہونا چاہیے دلی ارادہ سے اپنی زبان سے اسلام کا اقرار نہیں کیا۔ ابھی اس کے اسلام کا ثبوت شرعی طور پر نہیں ہوا۔ آپ اس پر اسلام کا حکم کس دلیل سے لگاتے ہیں۔ حضرت سید نے اسے تیز نظر سے دیکھا اور فرمایا "اے قاضی کے بیٹے! مجھے تمہاری باتوں سے دیانت کی بو نہیں آتی۔ جاؤ قضا تمہارے سر پر آچکی ہے اور تم سفر آخرت کے لیے آمادہ ہو۔ اپنے کفن دفن کا انتظام کرو"۔

یہ سنتے ہی شیخ محمد کے پیٹ میں درد ہوا۔ اسے اٹھا کر اس کے گھر لے گئے۔ گھر پہنچا تو قریب الموت تھا۔ اس کے والد قاضی عبدالمقدور اپنے بیٹے کا قصور معاف کرانے کے لیے آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور پوری نیازمندی سے عرض کیا "میرا یہی ایک بیٹا ہے اگر آپ مجھے بخش دیں تو آپ کی عنایت ہوگی" فرمایا "اب کیا ہو سکتا ہے؟" وہ تو دنیا سے چلا گیا مگر آپ کو خوشخبری ہو کہ اس کی اہلیہ حاملہ ہے۔ اس سے ایک بیٹا پیدا ہوگا۔ وہ متقی اور

علوم ظاہری و باطنی کا عالم ہوگا" اسی دوران قاضی صاحب کے خادموں نے آ کر خبر دی کہ شیخ محمد دنیا چھوڑ گیا۔

شیخ محمد کی اہلیہ حاملہ تھی۔ چند ماہ کے بعد اس نے ایک بچہ جنا جس کا ابوالفتح نام رکھا گیا۔ وہ متقی، زاہد اور عابد ہوا۔

ادھر اس نواہون ہندو کو ہر چند کے بادشاہ اور امراء نے اسلام قبول کرنے کی نصیحت کی مگر اس نے انکار کیا۔ آخر اس کی گردن اڑا دی گئی۔

وفات : حضرت شیخ سید صدر الدین راجن قتال نے خواجہ معین الدین خو یشگی چشتی صاحب "معارج الولایت" کے بقول ۲۱ جمادی الاخر ۸۲۷ھ میں منگل کی رات شاہ دین خضر خان بن ملک سلیمان کی سلطنت مبارک میں وفات پائی۔

قطعہ

چوں صدر الدین ازین دنیائے دون رفت — عیان شر طرفہ تر تاریخ ایصال

رسیدہ شاہ صدر الدین محبوب — دو بارہ "ہادی دین پیر قتال"

۸۲۷ھ — ۸۲۷ھ

شیخ سراج الدین حافظ قرآن قدس سرہ

آپ حضرت مخدوم جہانیاں رحمتہ اللہ علیہ کے عظیم خلیفہ ہیں۔ سالہا سال تک اپنے پیر کے امام نماز رہے۔ حضرت مخدوم کی آپ پر بہت زیادہ عنایت و شفقت تھی حتیٰ کہ فقہ و حدیث اور تفسیر کے ماہر علماء نے اس بارے میں رشک کیا۔ اس پر حضرت مخدوم نے فرمایا "سراج الدین کو جب تک کعبہ نظر نہیں آتا وہ تکبیر تحریمہ نہیں کہتے"۔ آپ سے بہت سی کرامات بے اختیار صادر ہوئیں اگرچہ ان کو پوشیدہ کرنے کی امکان بھر کوشش کرتے تھے۔

صاحب "اخبار الاخیار" فرماتے ہیں آپ کے عہد میں حضرت شاہ بدیع الدین مدار' ہرمز سے کالپی آئے۔ آپ کا طریقہ عوام کے دلوں کو اپنی طرف کھینچتا تھا۔ بہت سے لوگ آپ کے گرد جمع ہو گئے۔ آپ کو بہت شہرت ملی مگر آپ کی بعض باتیں شریعت کے خلاف تھیں۔ ان دنوں ایسا اتفاق ہوا کہ سلطان محمد فیروز شاہ کی طرف سے قادر شاہ اپنے والد سلطان محمد کی وفات کے بعد وہاں کا حاکم ہوا۔ شاہ مدار کی شہرت سے متاثر ہو کر آپ سے ملنے آیا۔ جب قطب المدار کی بارگاہ کے دروازہ پر پہنچا تو دربان نے اسے شاہ مدار کے پاس نہ جانے دیا اور کہا "اس وقت ایک بہت بڑا کامل جوگی آپ کی خدمت میں حاضر ہے اور آپ سے باتیں کر رہا ہے۔ اس لیے اس وقت حکم یہ ہے کہ کوئی بھی اندر نہ آئے"۔ قادر شاہ یہ سن کر بہت غضب ناک ہوا اور شاہ مدار کے نوکر سے کہا "شاہ مدار سے کہہ دو کہ وہ ہمارے شہر' ہمارے ملک اور ہماری عملداری میں نہ رہے" یہ کہہ کر حاکم واپس اپنے گھر آ گیا۔ شاہ مدار کو یہ خبر پہنچی تو وہاں سے کوچ کیا۔ دریا پار کیا حاکم کے خلاف بددعا کی اور خادم سے فرمایا "تم یہیں رہو اور انتظار کرو کہ ہماری بد دعا سے حکمران پر کیا آفت نازل ہوتی ہے۔ جب وہ مصیبت میں مبتلا ہو جائے تو مجھے اس کی اطلاع کرنا" ادھر مدار شاہ نے دریا عبور کیا ادھر قادر شاہ کے جسم پر بے شمار آبلے نمودار ہوئے۔ وہ چیچک کی بیماری میں مبتلا ہو گیا اور قریب الموت ہو گیا۔ جب وہ زندگی سے ناامید ہو گیا تو شیخ سراج الدین حافظ کی خدمت میں رجوع کیا۔ آپ نے اسے اپنا خاص پیراہن پہننے کے لیے دیا جسے پہنتے ہی وہ تندرست ہو گیا۔ آبلوں کا نشان تک باقی نہ رہا۔ شاہ مدار کے خادم نے جب یہ دیکھا کہ اس نے شیخ سراج الدین کی پناہ لے لی ہے' مایوس ہوا اور دریا پار کیا۔ شاہ مدار کو اطلاع دی تو وہ جون پور چلے گئے۔ وہاں سے قنوج کی طرف گئے پھر کبھی قادر شاہ کے ملک میں نہ آئے۔

وفات: آپ ۸۳۰ھ میں خالق حقیقی سے جا ملے۔

قطعہ

شد ازین دنیائے دون اندر بہشت — چون سراج الدین ولی متقی
"ہادی خیر" است سال رحلتش — ہم خرد گفتا "سراج روشنی"
۸۳۰ھ — ۸۳۰ھ

سید ناصر الدین بن مخدوم جہانیاں جلال الدین بخاری قدس سرہ

آپ علوم شریعت و طریقت، حقیقت و شرافت، سیادت و نجابت اور خوارق و کرامات کے جامع تھے۔ ولایت میں آپ عالی رتبہ تھے۔ چوں کہ اولاد بہت تھی اس لیے سید ناصر الدین مشہور ہوئے۔ کہتے ہیں کہ آپ کی سب اولاد بیٹے اور بیٹیاں ایک سو کی تعداد میں تھے اور سب نے لمبی عمر پائی۔ بہت سے لوگ آپ کے مرید ہوئے۔ اگرچہ ان کے والد کے جانشین سید صدر الدین راجن قتال تھے تاہم آپ بھی طالبوں کی راہنمائی میں آیت اللہ تھے۔ طریقت میں اپنے پدر بزرگوار سے نسبت تھی اور انہی سے خلافت و اجازت حاصل کی۔

وفات: بقول صاحب "معارج الولایت" آپ نے ۸۴۷ھ میں وفات پائی۔

قطعہ

بجنت ناصر الدین چون سفر کرد — عیان سال وصال آن شہ دین
ز عارف ناصر الدین کامل آمد — دگر "قطب مکرم ناصر الدین"
۸۴۷ھ — ۸۴۷ھ

شیخ سید برہان الدین قطب العالم بن سید ناصر الدین بن سید جلال الدین مخدوم جہانیاں رحمتہ اللہ علیہ

کنیت ابو محمد، نام عبداللہ اور لقب برہان الدین ہے۔ صاحب حال و قال

تھے۔ علوم ظاہری و باطنی میں کمال تھا۔ خود اپنے والد کے مرید تھے۔ انہی سے صوری و معنوی تربیت پائی۔ آپ سے بہت سی کرامتیں ظاہر ہوئیں۔ غیبی اشارہ پا کر اپنے وطن اوچ سے سلطان احمد بن تاتار خان بن سلطان مظفر کے زمانہ حکومت میں احمد آباد شہر آئے۔ گجرات پہنچ کر سلطان کو اپنا مرید کیا اور ارشاد و راہنمائی کا فریضہ سرانجام دینے لگے۔ قطب العالم کا خطاب ملا۔ ہزاروں طالبان حق کو حق تک پہنچایا۔ ملک دکھن کے مشہور مشائخ میں شمار ہوتے ہیں۔

ولادت: آپ کی ولادت ۷۰۹ھ میں ہوئی۔

وفات: آپ نے صاحب "الاخبار الاخیار" کے بقول ۷۵۷ھ میں (جو مطلع یوم الترویتہ سے حاصل ہوتا ہے) وفات پائی۔ صاحب "معارج الولایت" نے آپ کا سال وفات ۸۵۶ھ تحریر کیا ہے۔ دو قولوں میں ایک سال کا فرق ہے۔ آپ کا روضہ بنوں کے مقام پر احمد آباد سے تین کوس کے فاصلہ پر ہے۔ آپ کے روضہ عالیہ پر ایک پتھر ہے جس میں پتھر' لکڑی اور لوہے کی خصوصیات ہیں۔ یعنی تینوں چیزوں کی خصوصیات و خواص اس میں بیک وقت پائی جاتی ہیں۔ یہ تشخیص نہیں کی جاسکتی کہ ان تینوں میں سے کون سی چیز کہاں ہے؟ کہا جاتا ہے کہ ایک رات حضرت نماز تہجد کے لیے اٹھے۔ چونکہ اندھیرا تھا اس لیے آپ کو ٹھوکر لگی۔ آپ کو معلوم نہ تھا کہ کیا چیز ہے؟ اس لیے فرمایا کہ لکڑی ہے یا پتھر یا لوہا یا کوئی اور چیز؟ صبح ہوئی تو لوگوں نے دیکھا تو تینوں کے وصف اس میں پائے۔ یہ پتھر اب تک وہاں ہے۔ کوئی دیکھتا ہے تو کہتا ہے کہ یہ پتھر ہے۔ پھر جب اچھی طرح دیکھتا ہے تو پکار اٹھتا ہے کہ یہ لکڑی ہے۔ پھر جب غور سے دیکھتا ہے تو کہتا ہے کہ لوہا ہے یا کوئی اور چیز؟

قطعہ

سید مہتاب برہان الولی   ہست سال انتقالش این چنیں
۷۵۷ھ
باز سرور کوز وصل آنجناب   "طرفہ زاہد' شمع حق' برہان دین"
۷۵۷ھ

سید شاہ عالم قدس سرہ

کنیت ابوالبرکات' نام محمد بن قطب العالم برہان الدین اور لقب منجمن پر ہے۔ اپنے والا کے مرید اور خلیفہ ہیں۔ صاحب کرامات بلند و مقامات ارجمند تھے۔ ظاہر و باطن اپنے وقت کے سید (سردار) تھے۔ آپ کا حلیہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حلیہ سے بہت مشابہت رکھتا تھا۔ آپ کی عمر' والدین کا نام' دایہ کا نام نیز عمر شریف آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر کے مطابق تھی۔ والدین اور دودھ پلانے والی کا نام حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے متفق تھا۔

شاہ عالم چونکہ حضرت قطب العالم کے درمیانی صاحبزادہ تھے اس لیے آپ کو انجھلے پر کہا جاتا تھا۔ اپنے والد کی وفات کے بعد مسند ارشاد پر بیٹھے۔ شیخ احمد کھتو سے بھی تربیت حاصل کی۔

صاحب "اخبار الاخیار" لکھتے ہیں:

ایک بڑھیا حضرت شاہ عالم کی مرید تھی۔ اس کا ایک لڑکا تھا۔ وہ اتفاق سے مرگیا تو بڑھیا آپ کی خدمت میں حاضر ہوئی۔ آپ کا دامن پکڑ کر بہت زاری اور منت کی کہ میرا بیٹا مجھے واپس ملے۔ جب ان کی منت سماجت حد سے گزر گئی تو اس کی تسلی فرما کر اپنے گھر تشریف لے گئے۔ آپ کا بھی ایک کم سن بیٹا تھا۔ اس کو اٹھایا' باہر لائے۔ دونوں ہاتھوں پر اٹھایا اس کی طرف

رخ کیا اور کہا "یا اللہ وہ بچہ فوت نہیں ہوا' یہ فوت ہوا ہے۔ فوراً اس بچہ نے آپ کے ہاتھ پر جان' جان آفرین کے حوالہ کی اور بڑھیا کا بیٹا زندہ ہوگیا۔

ولادت : باسعادت ۸۱۷ھ ہے۔ آپ کی وفات بقول "صاحب الاخبار الاخیار" "معارج الولایت" وغیرہ بروز ہفتہ ۸ جمادی الاولی ۸۸۰ھ ہے۔ آپ کی عمر ۶۳ سال ہے۔ صاحب "اخبار الاخیار" آپ کی تاریخ وفات کا لفظ "فخر" سے اور صاحب "معارج الولایت" نے لفظ "شمع عشق" سے اخذ کیا ہے۔

آپ کا روضہ احمد آباد میں مرجع خلایق اور اس ملک کے لوگوں کے لیے تفریح گاہ ہے۔ یہ اونچی اور پرلطف جگہ ہے۔ شب جمعہ اس علاقہ کے لوگ اس کی زیارت کرتے ہیں۔ رات وہاں گزارتے ہیں' جمعہ کے دن صبح سویرے گھروں کو چلے جاتے ہیں۔

قطعہ

شاہ عالم بادشاہ اہل جاں   مقتدائے دین امیر المومنین
گشت سال انتقالش جلوہ گر   از "امین اللہ امام المتقین"
۸۸۰ھ

شیخ عبداللطیف داور الملک بن محمود قریشی قدس سرہ

آپ حضرت شاہ عالم محمد رحمتہ اللہ علیہ کے عظیم خلیفہ ہیں۔ تاریخ "مرات سکندری" میں ہے کہ داور الملک سلطان محمود بکڑہ کے امیر تھے۔ سلطان سے داورالملک کا خطاب ملا۔ آخر حضرت شاہ عالم رحمتہ اللہ علیہ کے مرید ہوئے۔

ایک دن شاہ عالم وضو کر رہے تھے۔ داور الملک اپنے ہاتھ سے پانی ڈال رہے تھے۔ اس وقت شاہزادہ دکن جو کسی بیماری میں مبتلا تھا اور اس کی شفا کے لیے آپ کے دعا کی درخواست ہو رہی تھی۔ شاہ عالم نے وضو سے فارغ ہونے کے بعد اپنے دست مبارک سے چند قطرے جزام اور برص کی بیماری میں گرفتار شہزادے پر ڈالے تو اس نے فوراً شفا پائی۔ پھر آپ نے داور الملک کی طرف رخ کر کے فرمایا "چونکہ اکثر اوقات عوام اپنی حاجات خواجہ معین الدین چشتی کی خدمت میں پیش کرتے تھے اس لیے آپ ان لوگوں کو سالار مسعود غازی کے حوالہ کر دیتے تھے اور خود اس جھنجھٹ سے فارغ ہو جاتے تھے۔ لہٰذا مجھے بھی یونہی کرنا چاہیے خود کو اس کام سے فارغ کر لینا چاہیے"۔ یہ فرمان سن کر داور الملک نے دل میں سوچا کہ سالار مسعود غازی جیسا تصرف کیسے ظاہر ہوگا؟ شاہ عالم نے ان کے اس خیال سے مطلع ہو کر فرمایا "حیران نہ ہو جانا چاہیے حق سبحانہ تعالیٰ تمہیں یہ مرتبہ بخشے کہ تم شہید ہو جاؤ اور مخلوق کی حاجات پوری کرنے لگو؟"

چنانچہ چند روز بعد سلطان محمود نے آپ کو تھانہ امرون بھیج دیا جو ریاست گجرات کی سرحد پر واقع ہے۔ آپ نے وہاں جا کر قوت خداداد سے کام لے کر وہاں کی رعایا کو مطیع کیا حتیٰ کہ قصبہ مرون کے باشندے کراسیہ قبیلہ کے لوگ بھی آپ کے فرمانبردار ہوگئے۔ اس قبیلہ کا ایک بدقماش شریر شخص داور الملک کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا کہ میرے فلاں رشتہ دار کے پاس عدیم المثال تلوار ہے جو دیکھنے کے لائق ہے۔ اس کی شمشیر ضرور دیکھنی چاہیے۔ چنانچہ آپ کے دل میں اس کے دیکھنے کا اشتیاق پیدا ہوا۔ یہی شریر آدمی اب اس کراسیہ کے پاس گیا اور کہا کہ ملک تمہیں دھوکہ سے ہلاک کرنا چاہتا ہے۔ اس ناعاقبت اندیش نے اپنے ساتھیوں سے کہہ دیا کہ

جب داور الملک مجھ سے تلوار مانگے تم یکبارگی اس پر ٹوٹ پڑنا اور اس کا کام تمام کر دینا۔

وہ کراسیہ آپ کی خدمت میں آیا۔ آپ نے بے تکلف ہو کر اس سے دیکھنے کے لیے تلوار مانگی۔ فوراً ہی اس کے ساتھی ہاتھوں میں تلواریں لیے نمودار ہوئے اور حضرت داور الملک کو شہید کر دیا۔ آپ قصبہ موزنی میں دفن ہوئے۔ آپ کا مزار مرجع خلائق ہے۔ لوگ ظاہر و باطنی فائدے حاصل کرتے ہیں۔

واقعہ شہادت: آپ کا واقعہ شہادت (بقول صاحب معارج الولایت) ۸۸۹ھ ہے جو لفظ ذیقعدہ سے اخذ کیا گیا ہے۔

قطعہ

داور الملک آن شہید اہل جاہ　　رفت چون از دہر در جنت رسید

سال ترحیلش شد طرفہ تر　　از "ولی پر امین داور شہید"

۸۸۹ھ

شیخ کبیر الدین حسن قدس سرہ

آپ کا بخارا کے سادات عظام سے تعلق تھا۔ حضرت مخدوم جہانیاں کے خاندان سے بہت فیض پایا اور کمالات تک پہنچے۔ اس کے بعد دنیا کی سیر کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے۔ آخر واپس اوچ آئے اور وہیں وفات پائی۔ صاحب "اخبار الاخیار" فرماتے ہیں: "آپ کی عمر ۱۸۰ برس تھی۔ آپ سے بہت سی کرامات ظاہر ہوئیں۔ آپ کی مشہور ترین کرامت یہ تھی کہ مسلمان ہو یا غیر مسلمان جو بھی آپ کی خدمت میں آتا تائب ہو جاتا۔ اسلام کی تصدیق کرتا' توبہ کرتا اور اسلام کے قبول کرنے میں بے اختیار ہو جاتا۔ اس

لیے ہزاروں لوگ آپ کی خدمت میں آئے اور ہدایت یاب ہوئے۔ آپ کی وفات کے بعد بھی آپ کی بعض اولاد میں یہ کرامت باقی رہی۔

وفات: بقول صاحب "اخبار الاخیار" آپ نے ۸۹۶ھ میں وفات پائی۔ آپ کا مزار اوچ میں ہے۔

قطعہ

چون کبیر الدین حسن سید ولی گشت در خلد معلی جائے گیر
"تاج عرفان کامل آمد" رحلتش نیز "سلطان نیر الاکبر کبیر"
۸۹۶ھ ۸۹۶ھ

شاہ عبداللہ قریشی ملتانی سہروردی رحمتہ اللہ علیہ

آپ شیخ السلام بہاؤالدین زکریا ملتان رحمتہ اللہ علیہ کی اولاد میں سے ہیں۔ آپ کے آباء کرام ملتان سے دہلی تشریف لے گئے۔ بچپن سے ہی آپ کی پیشانی مبارک پر بزرگی کی علامات ظاہر تھیں۔ آپ نے اپنے جد بزرگوار کے قدم پر قدم رکھا۔ سلطان بہلول لودھی نے آپ کو اپنی دامادی میں قبول فرمایا۔ اور اپنی صاحبزادی سے نکاح کر دیا۔ آپ کبھی سالک ہوتے کبھی مجذوب۔ آپ کو ظاہری عظمت و سطوت بھی حاصل تھی۔ سلوک کے دوران اپنی طاقت سے بڑھ کر ریاضتیں اور مجاہدے کیے۔ آپ کا بیان نقل کیا گیا ہے کہ "ابتدائے سلوک میں ہم نماز پڑھتے تو ہزار رکعت سے کم نہ پڑھتے۔ اگر ہم تلاوت کرتے تو تین ختم سے کم نہ کرتے۔ ایک ساعت کے ذکر پر جو فائدہ مرتب ہوتا وہ بھی بے حساب ہوتا"۔

صاحب "اخبار الاخیار" فرماتے ہیں: ایک دن شاہ عبداللہ (اس) بام بلند کے اوپر تشریف فرما تھے (جو اب بھی آپ کے روضہ کے پہلو میں موجود

ہے) اسی دوران ان پر اچانک حالت وجد طاری ہو گئی۔ آپ چھت سے زمین پر گر پڑے مگر اس حادثہ سے آپ کو کچھ نقصان نہ پہنچا۔ اسی طرح آپ نے ایک دن حالت وجد میں بکری کے بچہ کو زمین پر پٹخا جس سے وہ مر گیا۔ ایک شخص نے عرض کیا "یا شاہ! بکری کے بچہ کو صدمہ پہنچا اور وہ بے چارہ آپ کے ہاتھوں مارا گیا۔ مناسب ہوتا کہ آپ اسے زندہ کرتے کیونکہ آپ نے زندہ کو مردہ کر دیا ہے" یہ سنتے ہی شاہ اٹھے۔ بزغالہ کی پیٹھ پر پاؤں رکھا اور کہا "اٹھ! مردہ کو بدنام نہ کر" اسی لمحہ حی القیوم کے حکم سے وہ بزغالہ زندہ ہو گیا۔

"اخبار الاخیار" میں درج ہے: ایک دن شاہ عبداللہ حالت سکر میں تھے۔ خدمت کاروں سے فرمایا "گھر میں جتنا بھی سامان ہے باہر نکالو اور اسے آگ لگا دو تاکہ جل جائے"۔ آپ کا ایک کم سن صاحبزادہ شاہ احمد وہاں موجود تھا۔ اٹھ کر عرض کی "ایک ایک کر کے سامان نکالنا' تکلف سے خالی نہیں ہے۔ ہم گھر کو آگ ہی لگا دیتے ہیں کہ ایک بار ہی سارا سامان جل جائے۔ حضرت کو یہ بات پسند آئی تو اس کے حق میں دعائے خیر کی۔

وفات: بقول صاحب "معارج الولایت" آپ نے ۹۰۰ھ میں وفات پائی۔

قطعہ

ز دنیا در خلد معلّی چو عبداللہ پیر عابد دین
عیان شد نسل و سال انتقالش ز "عبداللہ قریشی سید دین"

۹۰۰ھ

شیخ سماء الدین سہروردی رحمتہ اللہ علیہ

آپ مخدوم جہانیاں بخاری رحمتہ اللہ علیہ کے نبیرہ سید کبیر الدین

اسماعیل کے عظیم خلفاء میں سے ایک ہیں۔ علوم ظاہری و باطنی کے جامع تھے۔ ورع و تقویٰ میں اعلیٰ مقام رکھتے تھے۔ دنیا میں صرف بقدر ضرورت لینے پر اکتفا کرتے تھے۔ میر سید شریف جرجانی کے شاگرد مولانا ثناء الدین سے ظاہری علوم کی تحصیل کی۔ ملتان میں بعض واقعات و حوادث کی وجہ سے چلے گئے اور مدت تک رستھوڑ' بیانہ وغیرہ میں رہے۔ پھر دہلی آئے اور اسے وطن بنا لیا۔ طویل عمر پائی۔ آخر عمر میں نابینا ہو گئے تو اللہ تعالیٰ نے بغیر علاج' وسیلہ کے آپ کو دوبارہ بصارت عطا فرمائی۔ آپ کی کئی تصانیف ہیں۔ جیسے "مفتاح الاسرار" وغیرہ۔ آپ نے شیخ فخر الدین عراقی کی "لمعات" پر حاشیئے لکھے جو اہل علم کے لیے کافی و وافی ہیں۔

صاحب "الاخبار الاخیار" فرماتے ہیں کہ ایک دن سلطان بہلول کے فرمان نویس' شہاب خان کا بیٹا شیخ محمد شیخ سماء الدین کی مجلس میں حاضر ہوا۔ یہ آدمی فسق و فجور میں بدنام تھا۔ یہ آیا تو حضرت کا ایک مرید اٹھا تاکہ اسے مجلس سے نکال باہر کرے کیونکہ یہ پاک لوگوں کی جگہ ہے۔ حضرت اس کے ارادہ سے واقف ہوئے اور اسے مخاطب کر کے فرمایا۔

ہر کسے طالب دیدار' چہ ہشیار چہ مست ہمہ جا خانہ عشق است چہ مسجد چہ کنشت

یہ بیت سنتے ہی شیخ محمد پر ایک حالت طاری ہو گئی۔ اس نے بے اختیار ہو کر زمین پر سر رکھا اور مرید ہو گیا۔ پھر تو وہ ساری عمر ممنوعات کے قریب بھی نہ پھٹکا۔

حضرت شیخ سماء الدین کے حقیقی بھائی شیخ محمد اسحاق فرماتے ہیں کہ حضرت کی بارہ سال کی عمر میں بھی کبھی نماز تہجد فوت نہ ہوئی۔ والد بزرگوار نے آپ کو ایک ستارہ بتا دیا تھا کہ جب یہ ستارہ فلاں مقام پر پہنچے تو نماز تہجد

پڑھ لینی چاہیے۔ شیخ حجرہ میں ہوتے تو سر پر لحاف نہ اوڑھتے۔ اس ستارہ کو حجرہ کے روشن دان سے دیکھ لیتے۔ جب وہ ستارہ اپنی جگہ پر پہنچ جاتا تو آپ نماز تہجد ادا کرتے۔

"اخبار الاخیار" میں درج ہے کہ ناگور میں ایک نیک خاتون آپ کی مرید تھی۔ اس کے پاس ایک گائے تھی، اس کا دودھ وہ آپ کی خدمت میں پیش کرتی رہتی تھی۔ جب آپ نے ناگور سے گجرات جانے کا عزم کیا تو وہ گائے چوری ہوگئی۔ وہ خاتون آپ کی خدمت میں آئی عرض، حال کی اور کہا "میری گائے چور سے منگوا کر مجھے عطا فرمائیے" یہ کہہ کر وہ نماز پڑھنے میں مشغول ہوگئی۔ عین نماز کے دوران شیخ کے خادموں نے سنا کہ آپ فرماتے ہیں "بی بی! تمہاری گائے حاضر ہے، لے جاؤ" جب وہ عورت نماز سے فارغ ہوگئی تو دیکھا کہ گائے صحن میں موجود ہے۔

ایک دن سلطان بہلول کی وفات کے بعد شیخ سماء الدین ان کی قبر کی زیارت کے لیے گئے۔ فاتحہ کے بعد مراقبہ کیا، پھر اٹھے اور کہا "یہ شخص دین میں بھی عیش و عشرت سے زندگی گزار گیا اور دنیا سے عالم آخرت میں منتقل ہونے کے بعد بھی اللہ سے محبت کے صدقہ اس نے بلند مرتبہ پایا۔

ایک دن شیخ کے سامنے ایک درویش "عین القضات ہمدانی" کے مکتوبات لایا۔ آپ نے اس کے ہاتھ سے کتاب لی اور ایک دو ورق پڑھے اور فرمایا آپ بیس جگہ بذات خود بیک وقت گئے اور خانقاہ میں درویشوں کے ساتھ بھی کھانا تناول فرمایا" یہ سن کر ایک درویش کے دل میں یہ خیال گزرا کہ جسم تو ایک ہے پھر عین القضات بیس مقامات پر کھانے کے لیے کیسے گئے جب کہ خانقاہ سے بھی باہر نہیں نکلے۔ شیخ نے نور باطن سے اس کے خیال کو بھانپ لیا۔ آپ نماز مغرب کے بعد حجرہ کے اندر گئے اور بلند آواز سے اس

درویش کو اندر بلایا۔ درویش جب حجرہ میں داخل ہوا تو دیکھا کہ شیخ ایک تن سے پانچ تن ہو چکے ہیں۔ حجرہ کے چاروں کونوں میں موجود ہیں اور حجرہ کے درمیان بھی تشریف فرما ہیں۔ وہ حیران رہ گیا کہ پانچوں جگہ شیخ سماء الدین بیٹھے ہوئے ہیں۔ اب اسے معلوم ہوا کہ یہ اس خیال کا جواب ہے جو عین القضات کی کرامت کے بارے میں اس کے دماغ میں آیا تھا۔ اس کے بعد وہ پانچوں صورتیں درویش سے مخاطب ہوئیں اور آواز آئی "درویشوں کو اتنی قوت اس حد تک حاصل ہوتی ہے کہ وہ اگر وہ چاہیں تو بیک وقت سو جگہ حاضر ہو جائیں اور اپنے گھر سے باہر قدم بھی نہ رکھیں"۔

وفات: شیخ سماء الدین نے بقول صاحب "اخبار الاخیار" بتاریخ ۱۷ جمادی الاول ۹۰۱ھ میں سلطان سکندر لودھی کے زمانہ میں وفات پائی۔ آپ کا مزار پرانوار دہلی میں ہے۔

قطعہ

سماء الدین ولی سہروردی ۔۔۔ کہ در ارض و سما حکمش روان شد
چو از حکم قضا رحت سفر بست ۔۔۔ "قضا" تاریخ ترحیلش بیان شد

۹۰۱ھ

شیخ عبدالجلیل المعروف بہ قطب العالم چوہڑ بندگی قریشی حارثی الہنکاری لاہوری قدس سرہ

سہروردیہ سلسلہ کے عظیم بزرگ ہیں۔ آپ کا نسب شریف چار واسطوں سے سلطان التارکین حمید الدین ابوالمغیث حاکم بادشاہ کیچ مکران تک جا پہنچتا ہے جن کا ذکر خیر اسی مخزن میں ہم کر آئے ہیں۔ یعنی آپ شیخ عبدالجلیل بن ابوالفتح بن شیخ عبدالعزیز بن شیخ شہاب الدین بن شیخ نور الدین بن سلطان

التارکین حمید الدین حاکم رحمتہ اللہ علیہم اجمعین۔

شیخ عبدالجلیل صاحب مقامات بلند و کرامات ارجمند تھے۔ آپ فرد یگانہ اور قطب زمانہ تھے۔ اپنے والد شیخ ابوالفتح کے مرید تھے۔ آپ نے دیگر بزرگان دین سے نیز دنیا کی سیر سے فیض کامل حاصل کیا۔ دنیا کی سیر کے بعد آپ شیخ حمیدالدین حاکم کے مسکن و مدفن قصبہ موکہ میں آئے اور کچھ عرصہ وہیں ٹھہرے۔ پھر خدائی اشارہ سے لاہور کی طرف روانہ ہوئے۔ جب آدھے راستے میں پہنچے تو خواب میں شیخ فریدالدین گنج شکر کو دیکھا۔ آپ فرماتے ہیں: "یا شیخ مناسب یہ ہے کہ پہلے اجودھین ہمارے روضہ مطہرہ پر آؤ اور ہمارے پاس سے اپنا حصہ لو پھر لاہور جاؤ۔ چنانچہ آپ اجودھین تشریف لے گئے۔ چالیس روز تک حضرت گنج شکر کے روضہ مطہرہ پر خلوت گزین رہے اور آنجناب کی بارگاہ سے (خلافت خاندان چشتیہ) کی خلعت فاخرہ سے مشرف ہوئے۔ بعد ازاں لاہور آئے اور کوٹ کودر میں ٹھہرے۔ یہ لاہور کے باہر ایک گاؤں تھا جو مشرق و جنوب کے درمیان گوشہ کگئی کی طرف تھا۔ اب اس گاؤں کا نشان بھی باقی نہیں رہا۔

ایک دن شیخ دریا کی سیر کے لیے تشریف لے جا رہے تھے۔ جب راوی کے قریب پہنچے تو لسی بیچنے والی ایک عورت نے دریا پا پیادہ عبور کیا اور لاہور کی طرف رخ کیا۔ شیخ نے اس سے پوچھا "اس لسی کی کیا قیمت ہے؟" اس نے قیمت بتائی۔ شیخ نے ایک خادم سے فرمایا کہ "لسی کی قیمت اسے دے دو؟" قیمت ادا ہو چکی تو آپ نے عورت سے کہا کہ یہ گھڑا زمین پر مار کر توڑ دو۔ اس نے ایسا ہی کیا۔ گھڑا ٹوٹا تو اس میں سے مردہ سانپ نکلا۔ عورت حیران ہوئی۔ اپنے گھر جا کر اپنے گوجر شوہر اور اپنے بیٹے کو (جو گاؤں کے بڑے آدمی تھے) واقعہ سنایا۔ اس کا شوہر صبح سویرے شیخ کی خدمت میں حاضر

ہوا' توبہ کی' اسلام لایا اور مرید ہوگیا۔ آپ نے اس کا نام شیخ جلال رکھا۔ وہ شخص آگے چل کر ولی کامل بنا۔

آپ کے بھائی اور خلیفہ شیخ ابوبکر ہیں۔ انہوں نے آپ کے بارے میں "تذکرہ عبدالجلیل" کے نام سے ایک کتاب لکھی۔ فرماتے ہیں کہ میرا آپ کی بیعت کرنے کا سبب یہ ہوا کہ ایک دن میں آپ کی خدمت میں حاضر تھا۔ میرے ہاتھ میں خشک لکڑی تھی۔ میرے دل میں یہ خیال گزرا کہ اگر یہ خشک لکڑی حضرت کی کرامت سے کچھ بالشت لمبی ہو جائے تو میں مرید ہو جاؤں گا۔ شیخ اس خیال سے اپنے نور باطنی سے واقف ہوگئے۔ مسکرا کر فرمایا اللہ تعالیٰ اس بات پر قادر ہے کہ خشک لکڑی کو بھی لمبا کر دے۔ اتنے میں میرے ہاتھ کی لکڑی پہلے سے چند بالشت لمبی ہوگئی۔ میں اٹھا' آپ کے قدموں پر سر رکھا اور مرید ہوگیا۔

حضرت شیخ عبدالجلیل سید ابوعبداللہ سلیمان جزولی رحمتہ اللہ علیہ کی تالیف "دلائل الخیرات" بڑے ذوق و شوق سے پڑھتے تھے۔ یہ کتاب ذکر اور درود شریف کے بارے میں بہت عمدہ ہے۔ حضرت یہ کتاب ایک بار صبح اور ایک بار شام پڑھتے۔ آپ جس مرید پر زیادہ مہربان ہوتے اسے یہ کتاب پڑھنے کی تاکید کرتے کیونکہ بہتر انداز سے اس کتاب کے مطالعہ سے اس کی مشکلیں دور ہوتیں۔

وفات : "تذکرہ عبدالجلیل" میں آپ کی وفات کا تذکرہ یوں ہے کہ یکم ماہ رجب المرجب ۹۱۰ھ میں اپنی مجلس میں رونق افروز تھے۔ شیخ یونس' شیخ جلال' شیخ مولانجار' شیخ میٹھہ سیاہ پوش' شیخ موسیٰ آہنگر' ملاقرن اور شیخ زین العابدین علاوہ ازیں چند خلفائے نامدار اور اولیائے کبار آپ کی خدمت میں حاضر تھے۔ اچانک آپ نے سر سجدہ میں رکھا' جان جان آفرین کے حوالہ کی۔

غسل کے وقت سلطان سکندر لودھی جو اس وقت لاہور میں تھا' آیا حضرت کے غسل میں شریک ہوا۔ غسل مکمل ہوگیا تو شیخ کی زبان سے تین مرتبہ "اللہ" کا اسم مبارک نکلا۔ بعض لوگوں نے سمجھا کہ ابھی زندہ ہیں۔ اس کے بعد دو گھڑی تک آپ کے ہونٹ حرکت کرتے رہے۔ جنازہ کے بعد آپ کو لاہور سے باہر آپ کی خانقاہ میں دفن کیا گیا۔ آپ کا مزار زیارت گاہ خلق ہے۔

صاحب "تذکرہ عبدالجلیل" شیخ ابوبکر نے آپ کی تاریخ وفات کا حاصل لفظ "شیخ" سے نکالا ہے۔

قطعہ

شہ عبدالجلیل آن قطب عالم   بروی اوکشا در فضل حق باب
جنابش افضل دنیا و دین بود   تو سال "رحلتش را فضل در باب"
۹۱۰ھ

قاضی نجم الدین گجراتی قدس سرہ

آپ حضرت شاہ عالم گجراتی کے خلیفہ اور مرید ہیں۔ صاحب "معارج الولایت" نے "مرات سکندری" سے نقل کیا ہے کہ قاضی نجم الدین ابتدا میں شریعت کے بڑی سختی سے پابند تھے اور فقراء کے بارے میں متعصب تھے۔ احکام شریعت جاری کرنے میں دل وجان سے کوشش کرتے۔ حتیٰ کہ ایک دن ایک زرگر سلطان محمود پھکرہ کے تاج کے لیے زیور مرصع کر کے لے جا رہا تھا۔ اتفاق سے قاضی صاحب کی اس پر نظر پڑ گئی۔ آپ نے اس کے ہاتھ سے زیور لے کر ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا۔ جب سلطان کو پتہ چلا تو اس کمال علم و آداب شریعت کا لحاظ کرتے ہوئے صبر کیا مگر اتنا کہا "اگر قاضی صاحب شریعت میں اتنے ہی پکے ہیں تو شاہ عالم کو مزامیر سننے سے کیوں نہیں

روکتے؟" قاضی صاحب تک یہ بات پہنچی تو آپ نے اس کا اثر لیا۔ سماع و مزامیر کے حرام ہونے کے مسئلہ پر کتب فقہ سے چند عبارات ایک کاغذ پر لکھیں۔

ادھر شاہ عالم کا دستور تھا کہ ہفتہ میں ایک مرتبہ نماز جمعہ ادا کرنے کے لیے حجرہ سے باہر نکلتے اور نماز جمعہ کے بعد سے نماز عصر کے وقت تک خانقاہ کے صحن میں تشریف رکھتے اور مریدوں اور طالبوں کی تربیت فرماتے۔ غرضیکہ جمعہ کے دن نماز عصر سے قبل شاہ عالم خانقاہ میں تشریف فرما تھے کہ قاضی نجم الدین ہاتھ میں کاغذ پکڑے ظاہر ہوئے۔ جب ان کی نظر آپ کے جمال پر پڑی تو غایت رعب و دہشت سے بات کرنے کی ہمت نہ رہی۔

حضرت شاہ نے فرمایا "قاضی تیرے ہاتھ میں کاغذ کیسا ہے؟" قاضی نے وہ کاغذ شاہ صاحب کو دے دیا۔ جب آپ نے کاغذ پکڑا اور اسے دیکھا تو وہ سفید ہوگیا۔ عبارتوں کی سیاہی مٹ گئی۔ آپ نے وہ کاغذ قاضی کے حوالہ کیا اور فرمایا "دیکھیے کیا لکھا تھا؟" قاضی نے جب دیکھا کہ حروف کا کوئی نشان باقی نہیں ہے تو ان کے ہوش جاتے رہے۔ حضرت شاہ کے قدموں پر سر رکھا اور اسی گھڑی حسن اعتقاد سے مرید ہوگئے اور چند دنوں میں واصلان حق میں سے ہوگئے۔

وفات: اقوال صحیح کے مطابق آپ ۹۱۱ھ میں اللہ کو پیارے ہوئے۔

قطعہ تاریخ وفات

شیخ نجم الدین ولی باصفا	شد چو از دنیا بہ جنت یافت بار
رحلت آن صاحب عز و وقار	"گشت روشن نجم دین مخدوم دین"

۹۱۱ھ

سید عثمان المشہور شاہ جھولہ بخاری لاہوری علیہ رحمتہ اللہ الباری

آپ پیر روشن ضمیر تھے۔ صاحب ذوق و شوق تھے' جذب و استغراق میں کمال حاصل تھا۔ اوچ سے لاہور تشریف لائے' بہت سے لوگوں کو اپنا مرید بنایا۔ آپ کو بہت مقبولیت حاصل تھی۔ چھوٹے بڑے' شریف' شریر ہر کوئی آپ کا تابع فرمان ہوتا۔ علماء وقت بھی آپ کے حکم کی تعمیل اپنے لیے سعادت سمجھتے تھے۔ آپ کے آباء کرام کا نسب چند درمیانی واسطوں سے حضرت مخدوم جہانیاں سید جلال الدین اوچی قدس سرہ تک جا پہنچتا ہے۔

آپ سید محمد اوچی کے فرزند تھے جو ابن سید بہاؤالدین بن سید حامد بن سید محمد شاہ بن سید رکن الدین المخاطب ابوالفتح بخاری بن سید حامد بخاری الملقب بذی نو بہار صاحب دستار بن سید ناصر الدین بن سید جلال الدین مخدوم جہانیاں (رحمتہ اللہ علیہم اجمعین)

یہ سب حضرات اپنے ہی آباء اکرام کے ہتھ پر سلسلہ وار "سلسلہ عالیہ سہروردیہ" میں بیعت تھے۔

شاہ جھولہ بخاری کہلانے کا سبب یہ ہے کہ آنجناب اونٹ پر سوار ہو کر اوچ سے لاہور کی طرف روانہ ہوئے۔ آپ اونٹ کو تیز چلاتے تو آپ کا بازو حرکت کرتا۔ اس دوران آپ نے اپنے بازو سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا "یہ حرکت کیوں ہے؟" شاید تجھے جھولہ (رعشہ) ہوگیا ہے۔ اسی دوران آپ کے بازو میں رعشہ پیدا ہوگیا جو آخری دم تک رہا۔ جھولہ پنجابی زبان میں رعشہ کو کہتے ہیں۔

وفات: آپ کی اولاد کے پاس موجود قدیم شجرہ کے مطابق آپ نے ۱۸ ربیع الاول ۹۱۲ھ میں سلطان سکندر لودھی کے عہد میں وفات پائی۔ آپ کا مزار قلعہ لاہور کے اندرون تہہ خانہ کے مقام پر ہے جو قلعہ اکبری کی تعمیر سے قبل شہر لاہور کی آبادی کے اندر تھا۔ یہ مزار شیخ حسینی اور پنج پیر کے نام سے

مشہور ہے۔

قطعہ

میر عثمان چو گشت راہی خلد   یافت از حق بباغ خلد مکان
گو وصالش امیر عثمان نیز   "معدن جود سید عثمان"

۹۱۲ھ   ۹۱۲ھ

شیخ علم الدین چونی وال قدس سرہ

آپ شیخ عبدالجلیل چوہڑ قطب العالم لاہوری کے عظیم خلیفہ ہیں۔ اعلیٰ درجات و مراتب پر فائز تھے۔ عشق و محبت اور جذب و شوق میں یگانہ آفاق تھے۔ جب مرید ہوئے تو آپ کی خدمت میں رہے۔ ایک دن شیخ جا رہے تھے کہ اچانک ناپاک کیچڑ آپ کے لباس پر پڑ گیا۔ سید علم الدین نے فوراً شیخ کی چادر لی' اسے صاف کر کے پانی سے دھویا۔ اس خدمت سے مرشد گرامی خوش ہوئے اور فرمایا "سید علم الدین! تو نے میرے لباس سے ظاہری نجاست دور کی۔ میں نے تیرے دل سے باطنی نجاست صاف کر دی"۔

فی الحال علم الدین کا دل نور معرفت سے روشن ہو گیا۔ آپ درجات ولایت تک جا پہنچے اور اپنے زمانہ کے اولیاء میں ممتاز مقام پر فائز ہوئے۔

چونکہ سید علم الدین کو یہ دولت لازوال اپنے شیخ کا لباس دھونے سے حاصل ہوئی تھی اس لیے آپ ہمیشہ اپنے مرشد کے کپڑے دھوتے۔ حتیٰ کہ آپ شیخ علم الدین گاذر مشہور ہو گئے۔ تکمیل اور خرقہ خلافت ملنے کے بعد جنڈیالہ گلستان تشریف لے گئے۔ آپ کا روضہ منورہ قصبہ چوپی سے ایک فرسنگ کے فاصلہ پر واقع ہے۔ آپ کے سالانہ عرس کے موقع پر دھوبی قوم کے لوگ آپ کے مزار پر بڑی تعداد میں حاضری دیتے ہیں۔

وفات: آپ ۹۱۶ھ میں فوت ہوئے۔

قطعہ

شیخ علم الدین ولی دو جہان　　رفت از دنیا چو در خلد برین
گشت سال ارتحالش جلوہ گر　　"کاشف دین عالم علم الیقین"
۹۹۱ھ

قاضی محمود گجراتی قدس سرہ

صاحب ذوق و محبت و عشق تھے۔ شاہ عالم گجراتی کے خلیفہ تھے۔ ہندی زبان میں عاشقانہ شعر کہتے جو اس علاقہ کے قوال، بزرگوں کی سماع کی محفلوں میں پڑھتے۔ یہ اشعار بے حد موثر ہوتے تھے۔

جب قاضی محمود رحمت حق سے جا ملے آپ کو لحد میں اتارا گیا تو آپ کے والد بزرگوار نے آپ کے روئے مبارک سے کفن کا کپڑا ہٹایا۔ آپ کی جانب دیکھا تو قاضی محمود نے آنکھ کھولی اور مسکرائے۔ والد نے کہا "بابا محمود! یہ کیا بچوں والی حرکتیں ہیں جو تو کر رہا ہے؟" آپ نے فوراً آنکھ بند کر لی۔

وفات: آپ نے ۹۲۰ھ میں داعی اجل کو لبیک کہا۔

قطعہ

حضرت محمود شیخ باکمال　　شد چو زین دنیائے فانی در جنان
سال وصل او بگو "شیخ ہدیٰ"　　سالک "مشکل کشا محمود دان"
۹۲۰ھ　　۹۲۰ھ

شیخ موسیٰ آہنگر سہروردی لاہوری قدس سرہ

آپ ایک مشہور ولی تھے اور شیخ عبدالجلیل جوہر بندگی کے مرید اور خلیفہ تھے۔ شروع میں آپ شیخ شہر اللہ بن یوسف کے ملتان میں مرید ہوئے جو شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی کے روضہ عالیہ کے سجادہ نشین تھے۔ انہوں نے وفات

پائی تو آپ شیخ عبدالجلیل کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اپنی تکمیل کی۔
صاحب "تذکرہ عبدالجلیل" فرماتے ہیں: "جب شیخ شہر اللہ ملتانی کا آخری وقت تھا تو شیخ موسیٰ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی "یا شیخ! ابھی اس خادم نے تکمیل نہیں کی اور ابھی تک علوم باطنی کے بارے میں چند حقائق و دقائق آپ سے حل نہیں کروائے۔ آپ بندہ کے لیے ایسی باتیں ارشاد فرمائیں جو میرے لیے مفید ہوں"۔ شیخ شہر اللہ نے جواب دیا "تیری بقیہ تکمیل قطب العالم عبدالجلیل لاہور سے ہوگی۔ ان کی خدمت میں حاضر ہونا اور اپنا حصہ لینا" چنانچہ شیخ شہر اللہ کی وفات کے بعد شیخ موسیٰ نے لاہور کا رخ کیا۔ شیخ عبدالجلیل کی خانقاہ میں آکر فقراء کی جگہ خاموشی سے بیٹھ گئے۔ ادھر شیخ عبدالجلیل نے اپنے نور باطن سے ان کا حال جان لیا۔ حجرہ سے باہر آئے اور آواز دی کہ ابھی ایک نووارد شخص جس کا نام موسیٰ ہے ملتان سے ہماری خانقاہ میں پہنچا ہے۔ اسے ہمارے پاس لایا جائے۔ خادموں نے آواز دی کہ شیخ موسیٰ کہاں ہے؟ اب شیخ موسیٰ اٹھے اور حضرت کی خدمت سے سرفراز ہوئے۔ کئی سال تک آپ کی خدمت میں حاضر رہے۔ اپنی تکمیل کی اور آپ کا شمار اولیاء عظام میں ہونے لگا۔ حضرت شیخ بھی آپ سے جدائی برداشت نہ کرتے تھے۔ اس لیے اپنی خانقاہ سے متصل دو بیگھہ زمین مرحمت فرمائی تاکہ اپنی رہائش کے لیے مکان بنا لیں۔ آپ رزق حلال کے لیے لوہاروں کا کام کرتے تھے۔

ایک دن شیخ موسیٰ لوہاروں کے کام میں مصروف تھے کہ ہرد نام کی ایک عورت لوہے کی سلاخ ٹھیک کروانے کے لیے آپ کے پاس آئی۔ وہ عورت حسن و خوبصورتی میں بے مثال تھی۔ اس نے سلاخ اور کچھ اجرت آپ کے حوالے کی۔ شیخ نے سلاخ بھٹی میں ڈالی۔ آپ ایک ہاتھ سے دھوکنی کو ہلانے

لگے اور دوسرے ہاتھ میں چمٹا پکڑ کر سلاخ کے ایک سرے کو پکڑ لیا اور اپنی نظریں اس عورت میں گاڑ دیں اور پوری توجہ سے اس عورت کے حسن و جمال کا نظارہ کرنے لگے۔ آپ نقاش کے جمال کا نقش اور اس کی کاریگری کا مشاہدہ اس عورت کے حسن میں کرنے لگے۔ جب کچھ دیر تک یہی کیفیت رہی تو وہ عورت غصے ہوئی اور کہنے لگی "اے دکاندار تجھ پر افسوس کہ تو بیگانی عورت کو دیکھتا ہے اور خدا سے نہیں ڈرتا۔ کتنی دیر ہو چکی ہے کہ تو نے سلاخ بھٹی میں ڈال رکھی ہے اور دیوانہ وار میرے حسن و جمال پر مفتون ہو رہا ہے"۔ یہ بات سن کر شیخ موسیٰ نے آگ سے لوہے کی سلاخ نکالی اور سلائی کی طرح اپنی آنکھ میں پھیری اور کہا اے عورت اگر تجھے دیکھا ہے تو میری آنکھ جل جائے اور اگر اس کو دیکھا ہے جس نے تجھے پیدا کیا ہے تو لوہے کی سلاخ سونا بن جائے گی۔ فوراً ہی آہنی سلاخ خالص سونا بن گئی۔ جب اس عورت نے یہ کرامت دیکھی تو اس کا دل دنیا سے اٹھ گیا۔ جام عشق الٰہی کی مستانی بن گئی، کوچہ و بازار میں دیوانہ وار پھرتی، گھر اور گھر والے سے اس کا دل اچاٹ ہو گیا اور ہزار دل سے مالک حقیقی کی عاشق بن گئی۔ کئی سالوں تک اس کی یہی حالت رہی کہ گھر والے بڑے حیلے سے اس کو پکڑ کر پا بہ زنجیر کرتے اور وہ کسی نہ کسی تدبیر سے زنجیروں سے نکل کر بازار کا رخ کرتی۔ ننگے سر، ننگے پیر پھرتی۔ آخر ایک دن اس نے اپنی جان شیریں معشوق حقیقی کے سپرد کر دی۔ یعنی اس دکھ بھری دنیا سے کوچ کر گئی۔ شیخ موسیٰ نور باطن سے اس کے فوت ہونے کا حال جان گئے۔ اس نازنین کے سرہانے تشریف لے گئے اور گھر والوں سے فرمایا کہ اس کشتہ عشق الٰہی کی تجہیز و تکفین ابھی نہ کریں شاید کہ وہ زندہ ہو۔ ابھی شیخ کی زبان سے لفظ "زندہ" نکلا ہی تھا کہ اس عورت نے حرکت کی اور زندہ ہو کر اٹھ بیٹھی۔ آپ کے

قدموں پر سر رکھا اور پھر جب تک زندہ رہی شیخ کی خدمت میں رہی۔ جب فوت ہوئی تو آپ کے روضے کے متصل دفن کی گئی۔ چنانچہ شیخ موسیٰ کے روضے کے متصل جو دوسرا چھوٹا روضہ ہے وہ اسی پاک دامن بی بی کا ہے۔

جب شیخ موسیٰ نے اپنے مقبرے کے لیے ایک اونچا گنبد اس زمین میں تعمیر کروانا چاہا جو آپ کو اپنے مرشد نے عطا کی تھی تو آپ نے معمار طلب کیے اور بنیاد رکھوائی۔ اتفاق سے ان میں سے کچھ معمار ہندو تھے۔ انہی دنوں میں دریائے گنگا میں نہانے کے دن آئے جو ہندوؤں کے مذہب میں بہت ثواب کا کام ہے۔ ہندو معماروں نے سفر گنگا کے لیے حضرت شیخ سے رخصت چاہی مگر آپ نے رخصت نہ دی۔ آخر جب انہوں نے زیادہ اصرار کیا تو آپ نے فرمایا کہ جب خاص غسل کا دن آئے تو ہمیں اطلاع دینا تمہیں دریائے گنگا پہنچا دیا جائے گا۔ آخرکار جب خاص غسل کا دن آیا تو وہ معمار حاضر ہوئے اور اطلاع دی کہ آج اشنان کا دن ہے۔ فرمایا کہ خانقاہ کے متصل کنوئیں کے پانی کے حوض میں جا کر غوطہ لگاؤ انشاء اللہ دریائے گنگا میں سر نکالو گے۔ وہ سب کنوئیں کے حوض پر گئے۔ ڈبکی لگائی جب سر باہر نکالا تو وہ دریائے گنگا میں تھے۔ بہت خوش ہوئے۔ اپنے مذہب کی رسمیں ادا کرنے کے بعد جب دوبارہ دریا میں جا کر غوطہ لگایا۔ جب سر باہر نکالا تو اپنے آپ کو شیخ کے حوض میں پایا۔

وفات: شیخ موسیٰ آہنگر نے صحیح قول کے مطابق ۹۲۵ھ میں وفات پائی۔ یہ ابراہیم لودھی کا دور حکومت تھا۔ آپ کا مزار لاہور میں ہے۔ آپ کے روضہ کا رنگ سبز ہے۔

قطعہ

چون شیخ دین و دنیا شیخ موسیٰ شد از دنیا مخلد جاودانی
بسرور شد عیان تاریخ سالش ز "سلطان زمان موسیٰ ثانی"

۹۲۵ھ

شیخ سید حاجی عبدالوہاب بخاری قدس سرہ

آپ سید جلال الدین شریف اللہ سرخ بخاری کی اولاد میں سے ہیں۔ آپ کے بزرگوں کی نسبت سید محمد غوث بن سید جلال الدین سرخ تک جا پہنچتی ہے۔

آپ باعمل اور حال و قال اور ذوق و شوق اور محبت رکھنے والے بزرگ تھے۔ ابتدا میں دارالامان ملتان وطن تھا۔ ایک دن اپنے سسر اور پیرو استاد سید صدر الدین بخاری رحمتہ اللہ علیہ کی خدمت میں بیٹھے تھے۔ آپ سے سنا کہ دو نعمتیں دنیا میں بالفعل موجود ہیں جو اللہ کی سب نعمتوں سے برتر ہیں مگر لوگ ان کی قدر نہیں کرتے' نہ ان کی شان پہچانتے ہیں اور ان نعمتوں کے حصول سے غافل ہیں۔ ایک یہ کہ حضرت سرور کائنات علیہ الصلوۃ والسلم مدینہ منورہ میں موجود ہیں لوگ اس سعادت کو نہیں پاتے۔ دوسرا قرآن مجید جو پروردگار کا کلام ہے۔ حق سبحانہ تعالیٰ نے بلاواسطہ غیر اس سے کلام کیا۔ لوگ اس سے بھی غافل ہیں۔ شیخ حاجی اپنے پیر سے یہ کلام سنتے ہی فوراً اٹھ کھڑے ہوئے۔ مدینہ منورہ کے سفر کا عزم کیا۔ حضرت سے رخصت طلب کی اور خشکی کے راستہ مدینہ منورہ کی جانب روانہ ہوئے۔ زیارت کی سعادت حاصل کی' وطن واپس آتے ہوئے دہلی آئے۔ سلطان سکندر لودھی کو آپ سے عقیدت ہوگئی۔ وہ آپ کی پوری تعظیم کرتا۔ بادشاہ کو حضرت حاجی سے اس قدر نیاز و محبت ہوئی کہ "فنا فی الشیخ" کے مرتبہ پر

پہنچ گیا۔ شیخ نے دو بار دہلی سے زیارت حرمین شریفین کا قصد کیا۔ دوبارہ اس سعادت سے فائز ہوئے۔ حضرت خاتم الرسالت علیہ الصلوۃ و التحیت کے اشارہ سے واپس ہندوستان آئے۔

آپ نے ایک تفسیر لکھی ہے جس میں اکثر بلکہ تمام قرآن کو حضرت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح و نعت قرار دیا ہے۔ اس تفسیر میں بہت سے دقائق عشق اور رازہائے محبت درج فرمائے ہیں۔

وفات: شیخ سید حاجی عبدالوہاب نے بقول صاحب "اخبار الاخیار" ۹۳۲ھ میں وفات پائی جو لفظ "شیخ حاجی" سے اخذ کی ہے۔ آپ کے بعد سید مدثر مسند مشیخیت پر بیٹھے۔

قطعہ

سید حاجی چوں از دنیائے دون رفت در فردوس اعلیٰ یافت جا
سید "محبوب میر متقی" کن رقم سال وصالش "سرورا"

۹۳۲ھ

شیخ عبداللہ بیابانی قدس سرہ

مولانا سماء الدین رحمتہ اللہ علیہ کے بیٹے ہیں۔ اپنے وقت کے زاہدوں میں شمار ہوتا ہے۔ تجرید میں اعلیٰ مقام رکھتے تھے۔ ابتدائے حال میں شادی کی۔ بعد میں جب دیکھا کہ اس سے حضوری' وقت اور فراغ عبادت پر اثر پڑتا ہے تو بیوی سے مفارقت کرلی۔

بیان کیا جاتا ہے کہ آپ اپنی طرف نسبت کر کے کوئی بات نہیں کرتے تھے۔ جو بات بھی کرتے غائب کا صیغہ استعمال کرتے۔ کسی بھی سلسلہ میں بات ہو اپنے آپ کو اس میں شامل نہ کرتے اور جن دنوں دہلی میں سکونت

تھی۔ سلطان المشائخ نظام الدین دہلوی کے روضہ عالیہ میں مشغول ذکر و فکر رہتے۔

آپ کی عادت تھی کہ ہر نماز کے لیے تازہ غسل کرتے۔ کپڑے دھوتے۔ ایک دفعہ بادشاہ نے کچھ لوگوں کو قید کر دیا۔ ان میں سادات بھی تھے۔ آپ گئے اور بادشاہ سے ان کی رہائی کی سفارش کی مگر بادشاہ نے آپ کی بات نہ مانی۔ آپ نے فرمایا: "اس شہر میں رہنا حرام ہے جس کا بادشاہ تو ہو"۔ آپ دہلی سے مندور گئے۔ وہاں کے فرمانروا نے آپ کا استقبال کیا' نقد رقم پیش کی مگر آپ نے قبول نہ کی اور فرمایا "مجھے اس سے کوئی سروکار نہیں۔ آپ فلاں حاکم کو یہ فرمان دیجیے کہ فلاں بیابان میں مجھے جگہ دے مجھے پریشان نہ کرے اور ظلم نہ کرے"۔ چنانچہ آپ اسی جگہ ٹھہرے۔ آپ کی قبر بھی وہیں ہے۔

وفات: آپ نے ۹۳۶ھ میں وفات پائی۔

قطعہ

چو عبداللہ بفردوس برین رفت | بوصل آن شہ جنت پناہی
بیابانی دے خوب رو کو | دگر تحریر کن فیض الٰہی

۹۳۶ھ ۔۔۔ ۹۳۶ھ

شیخ جمالی قدس سرہ

آپ مولانا سماء الدین سہروردی رحمتہ اللہ علیہ کے مرید اور خلیفہ تھے۔ یگانہ روزگار' مجمع اطوار' شعر و سخن میں استاد زمانہ اور فرد یگانہ تھے۔ آپ کا اصل نام جلال خان ہے۔ اوائل میں اپنا تخلص "جلالی" کرتے تھے۔ بعد میں اپنے پیر روشن ضمیر کے اشارہ سے "جمالی" تخلص کیا۔ آپ نے مثنوی'

قصیدہ اور غزل سب میں طبع آزمائی ہے۔ بہت سے سفر کیے۔ زیارت حرمین الشریفین سے مشرف ہوئے۔ مولانا عبدالرحمان جامی اور مولانا جلال الدین رومی سے تعلق رہا۔ بابر بادشاہ کے حضور بہت عزت تھی۔ اس کے نام پر قصیدے لکھے۔ ہمایوں بادشاہ غازی کے نام بھی قصیدے تحریر کیے۔ ایک رات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت میں قصیدہ لکھا۔ اسی رات خواب میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہوئی۔ فرمایا "مجھے تیرے قصیدہ سے یہ شعر پسند آیا ہے۔

موسیٰ از ہوش رفت بیک پر تو صفات   توعین ذات می نگری در تبسمی

وفات: ۱۰ ذی قعدہ ۹۴۲ھ میں فوت ہوئے۔ اس سال ہمایوں بادشاہ گجرات گیا ہوا تھا۔ آپ بھی بادشاہ کے ساتھ لشکر میں تھے کہ وفات پائی۔ آپ کا مقبرہ خواجہ قطب الدین بختیار کاکی قدس سرہ کے مزار میں ہے۔

قطعہ

مقتدائے دین جمال دو جہان   جامع عز و کمال معرفت

شد چو در جنت ز ہاتف شدندا   طالب "اہل جمال معرفت"

۹۴۲ھ

شیخ ادھن زین العابدین دہلوی قدس سرہ

آپ شیخ عبدالحق محدث دہلوی کے نانا ہیں۔ مولانا سماء الدین سہروردی کے نامور مرید اور خلیفہ ہیں۔ آپ کامل عالم' عبادت گزار' نیکوکار اور خشوع و انکسار میں حد سے بڑھے ہوئے تھے۔ زیادہ تر روزہ دار رہتے۔ کھانے میں بہت محتاط تھے۔

وفات: بقول صاحب "اخبار الاخیار" ۹۳۴ھ اور بقول صاحب "تذکرہ

العاشقین" ۹۴۴ھ میں وفات پائی۔ پہلا قول قرین صحت (زیادہ صحیح) ہے۔

قطعہ

چو زین العابدین شیخ جہانگیر ز دنیا رفت در فردوس اعلیٰ
عیان شد سال وصل ارتحالش ز "زین العابدین نور تجلّی"
۹۳۴ھ

سید جمال الدین سہروردی قدس سرہ

بخاری سید ہیں۔ اپنے بھائی سید عبدالوہاب بخاری دہلوی کے مرید اور خلیفہ ہیں۔ آپ کے آباء کا نسب (جیسا کہ سید عبدالوہاب کے تذکرہ میں بیان ہوچکا ہے) چھ واسطوں سے سید جلال الدین شریف اللہ میر سرخ بخاری اوچی تک پہنچتا ہے۔ آپ ولایت و سیادت' شرافت و عبادت اور ریاضت میں مقام بلند پر فائز تھے۔ سلاطین کشمیر کے آخری دور میں آپ نے خطہ دلپذیر کشمیر کو اپنے قدوم میمنت لزوم سے مزین فرمایا اور ایک عالم کو اپنا باطنی فیض پہنچایا۔

حضرت مخدوم شیخ حمزہ کشمیری بھی آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور سلسلہ عالیہ سہروردیہ میں خرقہ خلافت پایا۔ یہ کہنا بجا ہوگا کہ سید جمال الدین کے کشمیر آنے کا بنیادی مقصد شیخ حمزہ کشمیری کی تربیت و تکمیل تھا۔ چنانچہ آپ لوگوں کی راہنمائی کرنے' خلافت و اجازت عطا کرنے کے بعد واپس ہندوستان تشریف لے گئے۔ دہلی پہنچے اور ۹۴۸ھ میں رحمت حق سے جا ملے۔

قطعہ

خلد برین جلوہ گر شد چو ماہ بکو رحمت او ز "معراج خلد"

ملا فیروز مفتی کشمیری سہروردی قدس سرہ

کشمیر کے ایک بہت بڑے عالم اور بزرگ تھے۔ ابتدا جوانی میں سفر شروع کیا' حرمین الشریفین پہنچے' حج کی سعادت حاصل کی' روضہ نبوی پر حاضری دی۔ کچھ عرصہ وہاں قیام کرنے کے بعد ہندوستان آئے' بدایون پہنچے۔ علوم ظاہری کی تحصیل میں کافی محنت کی تاہم اس میں کامیابی نہ ہوئی۔ آخر ایک دن قسمت نے ساتھ دیا تو ابوالعباس خضر علیہ السلام کی زیارت سے بہرہ یاب ہوئے۔ ان سے تحصیل علم کی خواہش کی۔ چنانچہ چالیس دن تک حضرت خضر آپ کو آکر تعلیم دیتے رہے۔ آپ نے چالیس دن میں علم فقہ و حدیث و تفسیر وغیرہ میں "تحصیل نامہ" حاصل کیا اور دستار فضیلت باندھی۔ جب آپ کے علم و فضل کی شہرت دور دور تک پہنچی تو اکبر بادشاہ نے بہت منت و سماجت کر کے اپنے پاس بلوایا اور بہت عزت و تکریم کی۔ شیخ ہندوستان سے کشمیر تشریف لے گئے۔ وہاں کے مفتی اعظم بنے اور کمال دیانت و امانت سے شریعت کے حکم نافذ کرنے لگے۔ باطنی صفائی کے لیے شیخ میر حمزہ کشمیری کے مرید ہوگئے۔ آخر حسین شاہ والی کشمیر کے عہد میں شیعہ قوم کے ہاتھوں شہید ہوگئے۔ کشمیر میں ہی دفن ہوئے۔ بقول صاحب "تواریخ اعظمی" آپ کا واقعہ شہادت ۹۷۳ھ میں پیش آیا۔ اس وقت آپ کی عمر ستر سال تھی۔ مذکورہ کتاب میں آپ کی تاریخ وفات کے سلسلہ میں یہ شعر درج ہے:-

از پے تاریخ آن دین وحید — گفت شد از "مہر دین ملا شہید"

قطعہ

چو شد فیروز مند از ملک دنیا — جناب مولوی فیروز دین پیر
نخی فیروز شد تاریخ سالش — دوبارہ زندہ دل فیروز کشمیر
۹۷۳ھ — ۹۷۳ھ — ۱۲۱

آپ کی شہادت کے بعد آپ کے صاحبزادہ ملا عبدالوہاب عمدہ افتا پر متمکن ہوئے وہ صاحب تصانیف و تالیف تھے۔

مخدوم سلطان شیخ حمزہ کشمیری قدس سرہ

آپ کشمیر جنت نظیر کے بہت بڑے بزرگوں میں شمار ہوتے ہیں۔ مخدوم اولیاء ہیں۔ آپ کا اصل وطن موضع بخر پرگنہ زینہ کرہ ہے۔ بچپن میں ہی جذبہ عشق ربانی ایسا پیدا ہوا کہ اپنے گاؤں سے نکل کر شہر چلے آئے اور دامن کوہ میں عبادت و ریاضت میں مشغول ہوگئے۔ خوش نصیبی دیکھئے کہ اویسی طریقہ سے حضرت سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی روح مبارک سے فیض حاصل کیا۔ غیب سے ترتیب و تکمیل ہوئی۔ چونکہ آپ کا کوئی ظاہری مرشد نہ تھا اس لیے آپ نے اس بارے میں بارگاہ کبریاء میں دعا کی۔ ارشاد ہوا کہ تمہارا مرشد خودبخود تمہارے پاس آ جائے گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ چند دن کے بعد سید جمال الدین بخاری (جو حاجی عبدالوہاب بخاری دہلوی کے عظیم خلیفہ ہیں) دہلی سے کشمیر تشریف لائے۔ فی الحال شیخ حمزہ غیبی اشارہ پا کر ان کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ بیعت کی اور چھ ماہ تک آپ کی خدمت میں حاضر رہے۔ اعلیٰ مقامات تک پہنچے' خرقہ خلافت پایا۔

صاحب "تواریخ اعظمیہ" فرماتے ہیں کہ حضرت شیخ حمزہ پوری رات "حبس نفس" میں گزار دیتے۔ زیادہ جاگنے اور ذکر و فکر سے آپ کا مغز گل چکا تھا۔ آپ کو اندر کی گرمی اور باطنی سوز و گداز کی وجہ سے ایک پل بھی

آرام نہ آتا تھا۔ رات دن روتے' آہ و نالہ میں مصروف رہتے۔ آپ طالبوں کے مسائل حل کرنے' ان کی چارہ سازی کرنے' زمان و مکان اور کرامات و تصرف میں اللہ کی آیت تھے۔

کتاب "درر المریدین" میں آپ کے عظیم ساتھی شیخ بابا داؤد خاکی تحریر فرماتے ہیں کہ حضرت مخدوم مراتب ابدالی پر فائز تھے۔ فقر کے تمام سلسلوں میں اجابت و تلقین کا اختیار تھا۔ ذکر جہر الطریق میں آپ کا سلسلہ عالیہ سے تعلق تھا۔ سلسلہ قادریہ میں آپ کا تعلق روحانیت غوثیہ اعظمیہ سے تھا۔ آپ سماع و مزامیر سننے سے مکمل احتراز فرماتے تھے۔ آپ کی خدمت میں جب بھی کوئی بیمار' نابینا' فالج زدہ یا مرگی زدہ لایا جاتا تو وہ آپ کی نظر کیمیا اثر سے فوراً شفا پاتا۔

وفات: آپ نے ۹۸۴ھ میں اس دنیائے فانی سے کوچ کیا۔ آپ کا مزار خطہ کشمیر میں زیارت گاہ خلق ہے۔ بقول صاحب "تواریخ اعظمیہ" لفظ "موت مرشد" اور لفظ "آہ زائر گشتند" سے آپ کا سال تاریخ وفات نکلتا ہے۔ "شیخ پاکان" سے بھی آپ کی تاریخ وفات نکلتی ہے۔

قطعہ

حضرت حمزہ چون بملمت خدا   شد ز دنیا بوصل دوست قریب
شیخ سید بگو ز تار یحش   نیز مخدوم حمزہ پیر حبیب
۹۸۴ھ   ۹۸۴ھ

شیخ نوروز ریشی و سہروردی کشمیری قدس سرہ

ابتدا میں سلطنت کشمیر کے ایک امیر زادے تھے۔ عوام پر ظلم و ستم کرنے میں مشہور تھے۔ ایک دن سیر و شکار کے لیے نکلے ہوئے تھے کہ صحرا

عبور کیا۔ اس جنگل میں حضرت شیخ نیک ریشی رحمتہ اللہ علیہ رہتے تھے۔ آپ سلسلہ کبرویہ کے ایک بہت بڑے ولی تھے۔ "درویش ریشی" آپ کا خطاب تھا جس کا مطلب ہے خدا پرست۔ نوروز نے اپنے ہمراہی لشکر کو کہیں دور پیچھے چھوڑا اور خود اکیلا درویش کے حالات کا مشاہدہ کرنے کے لیے آپ کے نزدیک تر پہنچا۔ چھپ کر جا بیٹھا۔ وہ سمجھ رہا تھا کہ شیخ اس کے یہاں آنے سے بے خبر ہوں گے۔ اس نے دیکھا کہ شیخ ریشی نے درندوں' جنگلی جانوروں اور پرندوں کے لیے دستر خوان بچھا رکھا ہے۔ دام و دد کا ایک جم غفیر اپنی اپنی خوراک کھا رہا ہے۔ اتفاق سے ایک ریچھ نے گیدڑ کے حصہ خوراک پر ہاتھ بڑھایا۔ گیدڑ نے آنحضرت کی خدمت میں فریاد کی تو آپ نے ریچھ سے فرمایا کہ ظاہرا" نوروز ظالم کے جنگل میں آنے کا اثر تجھ پر پڑا ہے کہ تونے گیدڑ کے مال پر دست درازی کی ہے اور تو خدا سے نہیں ڈرا۔ نوروز نے یہ بات سنی تو اپنے کپڑے پھاڑ ڈالے اور غایت شوق و ذوق سے شیخ کی خدمت میں حاضری دی۔ توبہ کی' تارک الدنیا ہوگئے۔ زہد و ریاضت میں مشغول ہوگئے۔ شیخ کی زندگی تک ان کی خدمت میں مصروف رہے۔ ان کی وفات کے بعد ان کے جانشین بنے۔ آخر جب مخدوم شیخ حمزہ کشمیری کی شہرت سنی تو پیری چھوڑ کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور مقامات سلوک طے کرنے لگے۔ آپ کے مرید ہوگئے۔ تھوڑے ہی عرصہ میں اپنے ہمعصروں پر فوقیت لے گئے۔

وفات : آپ کا سال وفات ۹۸۸ھ ہے۔ کشمیر میں آپ کا مزار شریف ہے۔

قطعہ

رحلت آن شیخ مرتاض زمن رفت چون نو روز در خلد برین
شفقت حق خوان و فیاض زمن صاحب تحقیق نو روز آمد است
۹۸۸ھ ۹۸۸ھ

بابا داؤد خاکی کشمیری سہروردی قدس سرہ

کشمیر کے عظیم شیخ اور ولی ہیں۔ چھوٹی عمر میں شوق حصول علم دامن گیر ہوا۔ فراغت کے بعد شیخ مخدوم حمزہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور بیعت ہوئے۔ سیرو سلوک میں مشغول ہوگئے۔ اپنے مرشد سے از حد عشق و محبت کی وجہ سے مرتبہ "فنا فی الشیخ" پر پہنچے۔ اہل دنیا کو ترک کر دیا' عمدہ کتابیں لکھیں۔ ان میں سے ایک "ورد المریدین" ہے۔ اس کی مشہور شرح "دستور السا لکین" ہے۔ "قصیدہ جلالیہ" اور "رسالہ عالیہ" تصنیف کیے۔ آپ کے مرشد کی جو نظر کرم آپ پر تھی وہ کسی اور پر نہ تھی۔ آپ نے حضرت مخدوم حمزہ رحمتہ اللہ علیہ سے خرقہ خلافت و تبرک حاصل کرنے کے علاوہ سید احمد کرمانی اور مولانا شیخ محمد مخدوم قادری اور میر سید اسمٰعیل شامی قادری رحمتہ اللہ علیہ سے فیض پایا۔ آپ کشمیر سے ملتان اور اوچ تشریف لے گئے اور حضرات سہروردیہ کی زیارات سے مستفید ہوئے اور بے انتہا فیض اٹھایا۔ قاضی موسیٰ کشمیری نے شیعہ مذہب' سلاطین چکان کے ہاتھوں شہادت پائی تو شیخ داؤد سلطان کشمیر سے سخت ناراض ہوگئے۔ اس کے خلاف بددعا کی اور اعلان کیا کہ اب سلطنت خاندان چکان اپنی انتہا کو پہنچ چکی ہے۔ یہ ظالم لوگ اپنے ہی ہاتھوں اپنی جڑ اکھیڑیں گے اور جب تک ان کی بنیاد اکھیڑی نہیں جاتی ہم پر کشمیر میں رہنا حرام ہے۔ یہ کہا اور ہندوستان کی راہ لی۔ کچھ عرصہ بعد جب اکبر بادشاہ کا لشکر قاسم خان میر بحری کی قیادت میں کشمیر آیا تو آپ

ان کے ساتھ واپس کشمیر آئے اور اسی سال ۹۹۴ھ میں اس دار پر ملال سے کوچ کیا۔

اسلام آباد میں دفن ہوئے۔ کچھ مدت بعد آپ کے مخلصین آپ کی نعش مبارک اسلام آباد سے نکال کر شہر لائے اور اپنے پیر روشن ضمیر کے پہلو میں دفن کی۔ "تاریخ اعظمی" میں آپ کی تاریخ وفات "خیر مقدم" کے لفظ سے نکالی گئی ہے۔

قطعہ

چو آن داوٗد خاکی شیخ مسعود	ز فرش خاک شد براوج افلاک
دگر جستم ز "حاکم شیخ داوٗد"	وصالش "ھادی دین شیخ" گفتم
۹۹۴ھ	۹۹۴ھ

سید جھولن شاہ المشہور گھوڑے شاہ بخاری لاہوری قدس سرہ

صاحبزادہ بلند اقبال' سید شاہ محمد بن سید عثمان جھولہ بخاری لاہوری رحمتہ اللہ ہیں۔ جیسا کہ آپ کے والد سید عثمان کے تذکرہ میں بیان ہو چکا ہے آپ کے آباء کی نسبت سید جلال الدین مخدوم جہانیاں اوچی رحمتہ اللہ علیہ تک جا پہنچتی ہے۔ آپ کا اصل نام بہاء الدین تھا۔ مادرزاد ولی تھے۔ پانچ سال کی عمر میں آپ سے سینکڑوں کرامات و برکات ظاہر ہوئیں۔ بچپن میں آپ کو سب سے زیادہ دلچسپی گھوڑے کے ساتھ تھی۔ جو ضرورت مند بھی مٹی کا گھوڑا آپ کے پاس لاتا' اپنی مراد پاتا۔ جب آپ کی شہرت دور دراز علاقوں تک پہنچی تو وہاں کے ضرورت مند عوام نے آپ کی طرف رخ کیا۔ اب تو لوگ جوق در جوق آپ کے دروازہ پر حاضر ہوتے اور فیض پاتے۔ آپ کے والد ماجد کو معلوم ہوا تو وہ ناراض ہوئے اور دعا کی کہ "یا اللہ! یہ بچہ الٰہی رازوں اور خدائی بھیدوں کو ظاہر کرنے کا سبب بنا ہے اسے دنیا سے

اٹھا لے"۔ ان کلمات کی ادائیگی کے ساتھ حضرت جھولن شاہ نے دس سال کی عمر میں انتقال کیا۔

سید جھولن شاہ بخاری کے حقیقی بھائی سید عمادی الملک کی اولاد میں سے آج سید حاکم شاہ اور محمد شاہ لاہور میں سکونت پذیر ہیں۔ ان کے پاس شجرہ کے مطابق گھوڑے شاہ کی تاریخ وفات ۱۸ ربیع الاول ۱۰۰۳ھ ہے۔ آپ کا مزار لاہور کے مشہور ترین مزارات میں سے ہے جو حاجی نالہ کی زمین میں لاہور سے باہر ہے۔ سید شہباز بن عمادی الملک بتاریخ ۷ رجب ۱۰۴۱ھ میں فوت ہوئے۔ سید کھوری شاہ بن عارف شاہ بن عمادی الملک ۲۲ رجب ۱۰۵۰ھ میں فوت ہوئے۔ دونوں جھولن شاہ کے مزار کے پہلو میں دفن ہوئے۔

صاحب "تحقیقات چشتیہ" کا یہ کہنا کہ حضرت جھولن شاہ کا نام محمد حفیظ ہے اور آپ کو سلسلہ چشتیہ صابریہ سے ارادت تھی اور یہ کہ آپ محسن شاہ اور جان محمد چشتی لاہور کے مرید تھے' بالکل غلط ہے۔ اعوذ باللہ من اظہار الاخبار ا لکذب۔

قطعہ

شاہ جھولن چون ز دنیا رخت بست سال وصل آن ولی بحر و بر

۱۰۰۳ھ

عالم "اسرار جھولن شاہ دان" نیز جھولن شاہ' "شاہ نامور"

۱۰۰۳ھ ۱۰۰۳ھ

سید شاہ محمد بن سید عثمان جھولہ بخاری قدس سرہ

اپنے والد کی وفات کے بعد اوچ سے پنجاب کی جانب روانہ ہوئے۔ جب کلانور کے مضافات میں چک سردا پہنچے تو وہاں قیام کیا۔ خادموں سے

فرمایا کہ چرواہے' مویشیوں کو پانی پلائیں۔ خادم تمام مویشی' گاؤں کے زمینداروں سارنگ کے کنویں پر لے گئے۔ مگر سارنگ نے اجازت نہ دی۔ یوں جانور پانی نہ پی سکے۔ یہ اطلاع ملی تو آپ جلال میں آئے۔ اپنے ہاتھ میں جو نیزہ تھا اسے زمین پر مارا۔ فوراً چشمہ آب نمودار ہوا۔ ادھر سارنگوں کے کنویں کا پانی بالکل سوکھ گیا۔ یہ کرامت دیکھ کر سارنگ سردار حاضر خدمت ہوا۔ مسلمان ہو کر مرید ہوا۔ دین و دنیا کی عزت پائی۔ چنانچہ اب تک کئی دیہات (جیسے آلو داؤد) سارنگ کے بیٹوں کے نام پر آباد ہیں۔

وفات: ۱۸ ربیع الثانی ۱۱۰۱ھ میں وفات پائی۔ آپ کے صاحبزادوں کے اسماء گرامی یہ ہیں۔

(۱) سید حماد الملک (۲) سید بہاء الدین جھولن شاہ المشہور گھوڑے شاہ (۳) شاہ عالم (۴) بہاون شاہ (۵) نورنگ شاہ۔ یہ سب مظہر خوارق و کرامت تھے۔

آپ کا مزار موضع ہلکہ ضلع لاہور میں ہے۔

قطعہ

شہ محمد چون ز دنیا رخت بست	گشت "اعظم" سال تر حیلش عیان
باز شد پیدا ز دل شیخ امین	"صاحب فضیلت" ہم اے مہربان
۱۱۰۱ھ	۱۱۰۱ھ

شیخ حسن کنجدگر المشہور حسو تیلی لاہوری قدس سرہ

آپ شاہ جمال لاہوری رحمتہ اللہ علیہ کے خلیفہ ہیں۔ پہلے لاہور میں غلہ فروشی کی دکان کرتے تھے۔ ایک دن شاہ جمال کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اپنے لیے حصہ طلب کیا۔ آپ نے فرمایا "غلہ کی خرید و فروخت کے

وقت وزن برابر کیا کرو"۔ اسی دن سے شیخ حسن نے کم وزن کرنا چھوڑ دیا۔ اب ان کا دستور یہ تھا کہ جب آپ کی دکان پر کوئی خریدار آتا تو اس کے ہاتھ میں ترازو اور باٹ دیتے اور فرماتے' خود وزن کر لو۔ اب جو خریدار طمع کی وجہ سے زیادہ چیز لے جاتا' اپنے گھر جا کر وزن کرتا تو وہ چیز کم نکلتی اور جو کوئی پوری چیز تولتا گھر جا کر اس کی چیز زیادہ ہو جاتی۔ کئی سال اس طرح گزر گئے تو بہت زیادہ برکت ہوئی۔ حتیٰ کہ آپ نے ترازو کے باٹ بھی سونے کے بنوا لیے۔ ایک دن آپ نے سنہری باٹ شاہ جمال کی خدمت میں بطور نذرانہ پیش کیے اور عرض کی کہ آپ کی توجہ سے اس قدر کشائش و برکت حاصل ہوئی ہے کہ میں نے ترازو کے باٹ بھی سونے کے بنوا لیے ہیں۔ فرمایا "یہ سب دریا میں پھینک دو"۔ آپ اسی وقت شیخ کی مجلس سے اٹھے۔ سنگ ترازو دریا میں پھینک آئے۔ دو دن کے بعد جب دیہات کے غلہ فروش لاہور آ رہے تھے' دریا میں سے پیدل گزرے تو ان کے پاؤں کے نیچے وہی سنہرے باٹ آئے۔ انہوں نے اٹھا کر شیخ حسن کے حوالہ کر دیے۔ آپ انہیں دوبارہ شیخ جمال کی خدمت میں لے گئے اور عرض کی "میں نے سنگ۔ ترازو دریا میں پھینک ڈالے تھے مگر یہ پھر میرے پاس آ گئے ہیں"۔ فرمایا "اے حسن! یہ سچائی کا امتحان تھا جب تو نے کم تولنا چھوڑ دیا اور سچائی و دیانت اختیار کی تو برکت ملی --- جو تو نے کسب حلال سے پیدا کیا تو نے اسے دریا میں ڈالا تو بھی ضائع نہ ہوا اور واپس تیرے پاس آ گیا" --- یہ سن کر اب تو شیخ حسن تارک الدنیا ہو گئے۔ اللہ کے راستہ میں اپنی دکان لٹا دی۔ حضرت شاہ جمال کے مرید ہوئے۔ ریاضتیں کیں۔ چند ہی سالوں میں کمال کو پہنچے۔ اپنے وقت کے اولیاء میں شمار ہوئے۔ آپ کی خوارق و کرامت اب تک زبان زد عام و خاص ہیں۔

وفات: ۱۰۱۲ھ میں فوت ہوئے۔

قطعہ

چون حسن شیخ متقی مخدوم رفت از دہر در بہشت برین
نیز "محسن حسن ولی مخدوم" رحلتش ہست "شیخ اہل اللہ"
۱۰۱۲ھ ۱۰۱۲ھ

حضرت میران محمد شاہ المشہور بموج دریا بخاری قدس سرہ

بخاری سید ہیں۔ سہروردی مشائخ کرام میں سے ایک ہیں۔ آپ کے آباء کرام کا نسب نو واسطوں سے حضرت سیذ جلال الدین شریف۔ سرخ بخاری اوچی رحمتہ اللہ علیہ تک جا پہنچتا ہے۔ یعنی۔۔۔

میران محمد شاہ بن سید صفی الدین بن سید نظام الدین بن سید علم الدین ثانی بن جلال الدین بن سید علم الدین اولی بن سید ناصر الدین بن سید جلال الدین مخدوم جہانیاں بن سید احمد کبیر بن سید شیر شاہ جلال الدین الاعظم امیر سرخ بخاری (رحمتہ اللہ علیہم اجمعین)

میران محمد شاہ رحمتہ اللہ علیہ اپنے دور کے شیخ الوقت تھے' مقتدائے زمانہ تھے۔ ولایت میں اونچا مقام تھا۔۔۔ ابتداء میں اوچ میں رہتے تھے۔ پھر جلال الدین محمد اکبر بادشاہ کے بلوانے پر اس کے پاس چتوڑ گڑھ تشریف لے گئے اور قلعہ چتوڑ کی فتح کے لیے دعا فرمائی۔ قلعہ فتح ہوا تو آپ کو بہت مقبولیت حاصل ہوئی۔ بادشاہ آپ کا معتقد ہوگیا۔ پنجاب کے علاقہ پرگند بٹالہ میں بہت بڑی جاگیر آپ کو عطا کی۔ جاگیر عطا ہونے کے فرامین جو شاہی مہروں سے مزین ہیں اب تک آپ کی اولاد گرامی کے پاس محفوظ ہیں۔ چونکہ آپ کی جاگیر کے بعد لاہور میں تھے اس لیے آپ نے لاہور میں سکونت اختیار کی

مگر آپ نے فرمایا کہ ہمارا لنگر تین جگہ جاری ہوگا۔۔۔ ایک لاہور میں ہماری خانقاہ میں، دوسرا خان فتا متصل بہالہ، تیسرا بمقام ٭سیان والہ میں۔ چنانچہ آپ کی ہدایت کے مطابق جابجا لنگر جاری ہوگئے۔ طالبان حق، درویشوں اور مسکینوں کو یہاں سے وافر کھانا ملنے لگا۔

ایک دن ایک شخص آپ کی محفل مبارک میں آیا۔ حضرات سادات کا تذکرہ ہو رہا تھا۔ اس نے بھی گفتگو میں شرکت کرتے ہوئے پنجابی زبان میں بلاجھجک کہا۔ "سید سنی نہیں کاٹھ دی کنی نہیں"۔ یعنی ممکن نہیں کہ سید اہلسنت و جماعت میں سے ہو جس طرح کہ لکڑی کی دیگ نہیں ہوسکتی۔ اس نے یہ بھی کہا۔ پہلے لوگ کہا کرتے تھے کہ سید آگ میں گر پڑے تو اس کے سر کا بال بھی نہیں جلتا۔ اب ایسے اصیل و نجیب سید کا پیدا ہونا کہاں ممکن ہے؟

یہ سن کر حضرت میران جلال میں آئے فرمایا کہ لکڑی کی دیگ بنا کر لائی جائے۔ جب آ گئی تو آپ نے اپنے دونوں پاؤں کو دیگ دان بنایا۔ آگ جلائی گئی۔ آپ دیگچے میں چاول پکا کر منکر سادات کے سامنے لے آئے اور فرمایا۔ "دیکھ سید سنی ہے، دیگ بھی لکڑی کی ہے اور سید کے پاؤں پر آگ کا اثر بھی نہیں ہوا ہے"۔۔۔

حضرت میران محمد شاہ کے تین صاحبزادے تھے۔ ان میں سب سے بڑے سید صفی الدین جو اپنے جد بزرگوار کے نام سے موسوم تھے۔ دوسرے سید بہاء الدین آپ بزرگ و متقی تھے۔ (یہ دونوں صاحبزادے سید عبدالقادر ثالث بن عبدالوہاب بن سید محمد غوث بالا پر گیلانی کی صاحبزادی حضرت بی بی کلان کے بطن مبارک سے تھے۔ ان کا ماں باپ کی طرف سے نسب و حسب صحیح تھا۔) تیسرے سید شہاب الدین المشہور .شہاب الدین تھے۔ یہ حضرت کی

زوجہ ثانی بی بی نورنگ کے بطن سے تھے۔ یہ بٹالہ میں رہے کیونکہ ان کی والدہ بھی بٹالہ میں رہائش پذیر تھیں۔۔۔۔ جبکہ سید صفی الدین اور بہاء الدین کی والدہ لاہور میں رہتی تھیں۔ سید شہاب الدین صاحب کرامات تھے ان کا ذکر خیر اپنی جگہ آئے گا۔

ولادت: آپ ۹۴۰ھ میں پیدا ہوئے۔ ۱۰۱۳ھ میں فوت ہوئے۔ آپ کی عمر مبارک ۷۳ سال تھی۔

قطعہ ولادت و وفات

سید پاک بحر عرفانی موج دریا ولی والا جاہ
سید دین پر روشن ضمیر دل ہست تولید او عیاں چون ماہ
۹۴۰ھ
سال وصلش چو از خرد جستم گفت "دل خواجہ محمد شاہ"
۱۰۱۳ھ

سید سلطان جلال الدین حیدر بن سید صفی الدین بخاری قدس سرہ

آپ میران محمد شاہ بخاری موج دریا کے سگے بھائی ہیں۔ علوم ظاہری و باطنی اور کمالات صوری و معنوی کے جامع تھے۔ عابد و زاہد تھے' تارک الدنیا تھے۔ دنیا اور اہل دنیا سے کچھ تعلق نہ تھا۔۔۔۔ آپ تجرید و تفرید میں یگانہ روزگار تھے۔۔۔۔ اگرچہ حضرت موج دریا بخاری نے آپ کو اپنی طرف بلایا مگر اس لیے کہ موج دریا کا دنیا سے بھی کچھ تعلق ہے آپ نے ان کی طرف کم رغبت فرمائی۔ آپ رات دن ویرانوں میں عبادت حق کرتے رہتے تھے۔ ۱۰۲۶ھ میں فوت ہوئے۔ آپ کا مزار' لاہور میں مقبرہ بی بی ہاج و تاج کی دیوار

کے بالکل ساتھ مغرب کی طرف ہے۔ جسے عوام الناس "استاد حضرات میاں" کا روضہ کہتے ہیں۔ آپ کی اولاد لاہور سے متصل "بھوگیوال" میں سکونت رکھتی ہے۔

قطعہ

شد جلال الدین چو از دنیا مخلد — وصل آن روح جہاں جان بہشت

خواجہ کشاف و عاشق مقتدا است — ہم جلال الدین سلطان بہشت

۱۰۲۶ھ — ۱۰۲۶ھ

خواجہ مسعود پان پتی کشمیری قدس سرہ

آپ کا تعلق پہلے کشمیر کے بڑھیوں سے تھا۔ مگر عین کاروبار کے دوران' حق کی محبت ایسی پیدا ہوئی کہ کاروبار سے بے تعلق ہو کر صحرا کی راہ لی اور تین ماہ وہاں گزار دیے۔ کھائے اور سوئے بغیر عبادت کرتے رہے۔ بعد میں حضرت خضر علیہ السلام کے اشارہ سے بابا داؤد خاکی رحمتہ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوئے' مرید ہوئے پوری محنت اور کوشش سے کمالات سلوک حاصل کیے۔ شیخ بابا پرونی ریشی سے بھی فیض تام حاصل کیا۔ اپنے گاؤں "پان پور" کی سکونت اختیار کی۔۔۔۔ زعفران کی کاشت سے رزق حلال حاصل کرتے۔ اس سے ہونے والی آمدنی فقراء پر صرف کرتے۔ آپ کشف و کرامت میں اپنے عہد کے تمام اولیاء پر گوئے سبقت لے گئے۔

وفات: آپ نے ۱۰۲۱ھ میں وفات پائی۔ آپ کا مزار کشمیر کے قصبہ پان پور میں زیارت گاہ خلق ہے۔

قطعہ

شد چو مسعود زین جہان فنا سال ترحیل آن شہ ذیشان
"صاحب ذکر و فخر عالم گو" "شیخ عالی و شیخ سالک خوان"

بابا روبی ریشی سہروردی کشمیری قدس سرہ

خواجہ حمزہ کشمیری کے بڑے خلفاء میں سے ہیں۔ اپنے شیخ کی خدمت میں پہنچے تو تھوڑی ہی مدت میں بے انتہا ترقی کی۔ ۱۲۰ برس کی عمر تھی۔ ۱۰۹ سال تک صائم الدہر رہے۔ گیارہ سال تک صائم رہے۔ وفات کے دن بھی روزہ تھا اور اسی حالت میں دنیا سے کوچ کیا۔ ایک خرقہ پشمینہ کے سوا آپ کے پاس کچھ سامان دنیا نہ تھا۔ "تواریخ اعظمی" میں آپ کی تاریخ وفات ۱۰۲۴ھ درج ہے۔ آپ کا مزار کشمیر شہر کے محلّہ "کدل" میں ہے۔ بابا نصیب الدین کشمیری اکثر اوقات آپ کے پاس آکر فیض پایا کرتے۔

قطعہ

چون جناب شیخ ریشی مقتدا داخل فردوس شد بے میل و قال
پیر اخیار است سال رحلتش شد عیان بار "ذکر شیخ جمیل"
۱۰۲۴ھ ۱۰۲۴ھ

سید عمادی الملک بن سید شاہ محمد جھولہ بخاری قدس سرہ

لاہور کے عظیم مشائخ اور معزز سادات میں آپ کا شمار ہوتا تھا۔ خوارق و کرامات میں مشہور تھے۔ ایک شخص نے سنگ پارس کا ٹکڑا' آپ کا امتحان لینے کی غرض سے آپ کے حوالہ کیا تو آپ نے فرمایا کہ گدی کے نیچے رکھ دو۔ وہ رکھ کر چلا گیا۔ کئی سالوں کے بعد واپس آیا' اپنا پتھر مانگا آپ نے فرمایا جہاں رکھا تھا وہاں سے اٹھا لو۔ اس نے جب مصلّی کا دامن اٹھایا تو اس نے

وہاں سینکڑوں سنگ پارس موجود پائے۔ حیران رہ گیا اور کہا مجھے نہیں معلوم کہ میرا پتھر کون سا ہے؟ حضرت سید نے اس کا پتھر اٹھایا اور اس کے ہاتھ میں دے دیا۔ اس کرامت سے متاثر ہو کر اس شخص نے آپ کے قدموں میں اپنا سر رکھا اور مرید ہو گیا۔

وفات : آپ نے ۱۰۳۹ھ میں سفر آخرت کیا۔ پہلے سید جھولن شاہ (گھوڑے شاہ) بخاری کے مزار کے سامنے آپ کا روضہ عالیہ تھا۔ جب تیج سنگھ نے آپ کے روضہ کو تعصب کی بنا پر مسمار کر دیا تو مسلمانوں نے آپ کی نعش مبارک کو وہاں سے نکال کر حضرت شاہ بلاول قادری کے چبوترہ پر علیحدہ دفن کر دیا۔ اس روضہ کے ساتھ والی مسجد اب تک باقی ہے۔ اس مسجد کے ساتھ ہی شیخ محمود شاہ مجددی نے اپنا مقبرہ بنوایا۔۔۔۔ اصل صورت حال یہ ہے جو بیان ہوئی۔ بعض عوام کالانعام کا یہ کہنا کہ یہ مسجد سودن طوائف کی ہے محض جھوٹ ہے۔

قطعہ

چو از دنیا بفردوس برین رفت عمادی الملک معصوم زمانہ
ز دل سال وصالش جلوہ گر شد "عمادی الملک مخدوم زمانہ"

۱۰۳۹ھ

شاہ ارزانی قادری و سہروردی پٹوی قدس سرہ

پہلے آپ شیخ بلاول دریائی کے مرید تھے۔ شیخ بہلول کو شاہ لطیف بری اور انہیں شیخ حیات المیر نبیرہ' حضرت غوث الاعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ (کہ زندہ جاوید ہیں) سے ارادت تھی۔ شیخ بہلول کے انتقال کے بعد آپ نے چند سہروردی حضرات سے سلسلہ سہروردیہ کا فیض حاصل کیا اور خرقہ خلافت پایا۔

آپ کاملان وقت میں شمار ہوئے۔ لہٰذا صاحب "معارج الولایت" وغیرہ نے آپ کو پیران سلسلہ سہروردیہ میں شمار کیا ہے۔ خواجہ حسین لاہوری، جن کا ذکر خیر، سلسلہ قادریہ میں ہوچکا ہے، بسبب رشتہ خواجہ تاشی، آپ سے بہت محبت رکھتے تھے۔ آپ کے حالات عجیب تھے۔ آپ اہل کمال میں سے تھے حال یہ تھا کہ تمام دن جنگل میں عبادت حق میں مصروف رہتے۔ صاحب "معارج الولایت" فرماتے ہیں کہ شاہ ارزانی سے بہت سی کرامات سرزد ہوئیں۔ بلکہ آپ نے کئی بار مردوں کو بھی زندہ کیا۔ شاہ جہان بادشاہ نے شاہزادگی کے دوران، اپنے والد کی نامہربانی کی شکایت، حضرت والد کی خدمت میں کی۔ اس نے آپ سے التماس کی کہ آپ اس کے حق میں برائے حق حصول سلطنت دعا فرمائیں۔ آپ نے فرمایا تو اپنے والد کی وفات کے بعد انشاء اللہ بادشاہ بنے گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

وفات : ۱۰۴۰ھ میں وفات پائی۔ پٹنہ شہر میں آپ کا مزار زیارت گاہ خلق ہے۔

قطعہ

شاہ ارزانی چو از فضل خدا — رفت از دنیا بملک جاودان
کن رقم "شیخ مکمل رحلتش" — "کاشف دین شاہ ارزانی" نجوان

۱۰۴۰ھ — ۱۰۴۰ھ

بابا نصیب الدین سہروردی کشمیری قدس سرہ

مشائخ کشمیر میں آپ کا مقام نمایاں ہے۔ بابا داؤد خاکی کشمیری کے خلفاء کاملین میں سے ایک ہیں۔ بچپن سے ہی ریاضت و عبادت اور صحبت مشائخ کا شغف تھا۔ اس کے بعد بابا داؤد خاکی سے بہت زیادہ فائدہ اٹھایا۔ پوری عمر

"ترک" میں گزار دی۔ حتیٰ کہ موسم ربیع و خریف کے پھل، ٹھنڈا پانی اور گوشت سبھی کچھ ترک کر دیا تھا۔ جو کی خشک روٹی کے سوا آپ کی طبیعت کسی اور چیز کی طرف مائل نہ تھی۔ اس دور کے علماء صلحاء اور مشائخ آپ کی مجلس نشینی کو اپنے لیے ایک اعزاز سمجھتے تھے۔ کسی کو بھی آپ کے علم و عمل پر اعتراض نہیں تھا۔ آپ ہر وقت فقراء و مساکین کی خدمت پر کمربستہ رہتے، کھانے کے ساتھ ساتھ انہیں نقدی اور مطلوعہ جنس بھی پیش کرتے۔

ایک دفعہ آپ کا ایک مرید تبت میں، قتل کے الزام میں گرفتار ہوا اور مارا جانے والا تھا کہ آپ طی الارض کرامت کے تحت تبت پہنچے، اپنے مرید کو قید خانہ سے نکال کر چشم زدن میں اپنے ساتھ کشمیر لے آئے۔

اسی طرح پہاڑی راجوں میں سے ایک راجہ کثرت خانی نے آپ کے ایک مرید کو اپنے قید خانہ میں قید کر دیا۔ شیخ نے نور باطنی سے اس کا حال بھانپ لیا۔ رات آئی تو اپنے آپ کو راجہ پر ظاہر فرمایا اور اپنے مرید کو رہا کرنے کی تاکید کی۔ راجہ نے اسی وقت اسے رہا کر دیا اور بڑی منت و سماجت سے شیخ کو اپنے پاس بلوایا اور رعایا سمیت آپ کے ہاتھ پر اسلام قبول کر لیا۔

وفات: آپ ۱۳ محرم الحرام ۱۰۴۷ھ میں اللہ کو پیارے ہوئے۔ کشمیر کے قصبہ بجبارہ میں آپ کا مزار ہے۔ "تواریخ اعظمی" میں آپ کی تاریخ وفات "وھو خیر الصالحین" ۱۰۴۷ھ درج ہے۔

قطعہ

ز دنیا چوں سوئے بقا رخت بست — جناب نصیب آن ولی متقی

ز "ثابت قدم" ارتحالش بجو — بفرما دگر "شیخ کامل ولی"

۱۰۴۷ھ — ۱۰۴۷ھ

سید شہاب الدین نہر ابن میران محمد شاہ موج دریا بخاری لاہوری قدس سرہ

آپ کو موروثی سعادت و ولایت و کرامت حاصل تھی۔ اپنے وقت کے قطب تھے۔ پوری عمر ذوق و شوق اور ہدایت خلق میں گزار دی۔ آپ سے بہت سی کرامات ظاہر ہوئیں۔

شیر شاہ حاکم پنجاب اپنے آپ کو سید صحیح النسب سمجھتا تھا اور اپنے ماسوا ہندوستان کے دیگر سادات کو خاطر میں نہیں لاتا تھا۔ اس نے زیادہ غرور میں آکر سادات کے امتحان کے لیے ایک شیر کو پنجرہ میں ڈال رکھا تھا۔ لکڑی کا ایک تیر اور آہنی زنجیر بنوا رکھی تھی۔ اس نے لوہے کا ایک تنور بھی تیار کروا رکھا تھا۔ وہ پنجاب کے سادات کو اپنے پاس بلوا کر کہتا کہ اگر تم اصیل و نجیب سید ہو تو شیر کے پاس جاؤ۔ گرم تنور میں گھس جاؤ اور لکڑی کے تیر سے لوہے کی زنجیر توڑ ڈالو ـــــ سادات اس کام پر آمادہ نہ ہوتے تو انہیں قید خانہ میں ڈال دیتا ـــــ اس طرح اس نے بہت سے سادات کو گرفتار کر رکھا تھا۔

آخر جب یہ اطلاع بٹالہ میں شاہ شہاب الدین کو ملی تو آپ اپنے ایک خادم محمد رفیع آہنگر کے ساتھ موضع چونڈ کی طرف گئے جہاں شیر شاہ کا قیام تھا۔ سب سے پہلے شیر کے پاس پہنچے۔ پنجرہ کھولا' شیر کو کان سے پکڑ کر باہر لائے اور فرمایا "افسوس کہ تیرے جیسا بہادر شیر پنجرہ میں بند ہو۔ اپنی جگہ چلا جا"۔ شیر نے فوراً اپنی راہ لی۔ اس کے بعد آپ نے چوبی تیر لیا اور اپنی کرامت کے زور سے آہنی زنجیر اس سے توڑ ڈالی۔ یہ بات شیر شاہ تک پہنچی۔ اس نے آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر کہا ـــــ "ان دونوں کرامتوں کے ظہور سے یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ آپ سادات کرام میں سے ہیں۔ مگر ابھی ایک نشانی باقی ہے کہ لوہے کا تنور تپایا جائے اور شاہ اس میں داخل ہو کر باہر

نکل آئیں"۔ آپ نے فرمایا "مضائقہ نہیں"۔ چنانچہ اسی وقت تنور گرم کیا گیا۔ آپ نے اپنا رومال محمد رفیع آہنگر کو دیا اور فرمایا جا اور کہہ یا نار کونی بردا و سلاما علی ابراھیم۔ محمد رفیع فوراً تنور میں اترا اور صحیح سلامت نکل آیا۔ شیر شاہ نے جب آنحضرت کی یہ کرامت ظاہری آنکھ سے دیکھ لی تو آپ کے قدموں پر سر رکھا اور مرید ہوگیا۔ اپنے تمام مال و دولت سے دست بردار ہوا اور یہ سب مال ان سادات عظام کو دیا جو قید خانہ میں بند تھے۔ یوں وہ بادشاہ دین و عقبیٰ بنا۔ ساری عمر اپنی ہدایت ملنے کی جگہ چونڈ میں رہا۔ وہیں وفات پائی اور وہیں دفن ہوا۔

حضرت سید شہاب الدین کے "نہرا" کہلانے کی وجہ تسمیہ میں اختلاف ہے۔ ایک رائے میں نہرا کا معنی شیر ہے اور جس دن آپ نے شیر کو پنجرہ سے نکالا تھا اس دن سے نہرا کہلانے لگے۔ بعض حضرات کے خیال میں آپ کے والد گرامی نے آپ کو نہرا کا خطاب دیا تھا کیونکہ آپ بہت خوبصورت، باجمال اور بارعب تھے۔ دوسرے کوئی شخص آپ کے ساتھ علم ظاہری و باطنی میں گفتگو کرنے کی تاب نہ رکھتا تھا۔

وفات: آپ ۹۶۵ھ میں پیدا ہوئے اور ۱۰۴۱ھ میں وفات پائی۔ ایک قول کے مطابق آپ کا سن وفات ۱۰۴۷ھ ہے۔ آپ کا مزار لاہور کے موضع بھوگی وال میں زیارت گاہ خلق ہے۔ آپ کی اولاد میں سے کسی کو یہ اجازت نہیں ہے کہ وہ آپ کے مزار پر گنبد تعمیر کرے یا قبر کا تعویذ پختہ کرے۔ اسی لیے آپ کی کچی قبر ہی مزار خاص و عام ہے۔ پہلے جس نے بھی آپ کی قبر پر عمارت تعمیر کروانی چاہی وہ کسی مصیبت سے دوچار ہوا۔

قطعہ تاریخ ولادت و وفات

شہاب الدین نہرا سید پاک — کہ بود از سید آن دین اعلیٰ
اگر خواہی زنامش سال تولید — "بگو شاہ شہاب الدین نہرا"

۹۶۵ھ

شہاب الدین ہادی حقیقت — "رقم کن وصل آن شاہ معلیٰ"

۱۰۴۱ھ

سید عبدالرزاق المشہور۔ سید مکی قدس سرہ

آپ میران محمد شاہ موج دریا بخاری کے خاص مرید ہیں۔ آپ ایک تارک الدنیا اور زاہد و متقی بزرگ تھے۔ کمالات ظاہری و باطنی کے جامع تھے۔ آپ سبزواری سادات میں سے ہیں۔ غزنی سے پشاور آئے اور کچھ عرصہ وہاں قیام کیا۔ پھر دہلی پہنچے اور شاہی دستہ میں شامل ہوگئے۔ آخر جذب حقیقی سے میران محمد شاہ کی خدمت میں حاضری دی۔ دنیا اور دنیا والوں کو چھوڑ دیا۔ آپ کو دنیا اور اہل دنیا سے سخت نفرت تھی۔ ساری رات اپنے پیر کی خدمت میں گزار دیتے اور پورا دن حجرہ میں مصروف عبادت رہتے۔

وفات: ۱۰۴۸ھ میں فوت ہوئے۔ آپ کا مزار لاہور میں ہے۔ اور گنبد نیلگوں کے نام سے مشہور ہے۔

قطعہ

چو در خلد معلیٰ شد ز دنیا — جناب شیخ عالم عبدالرزاق
وصالش محسن فیض است دیگر — "شہ مہدی مکرم عبد رزاق"

۱۰۴۸ھ — ۱۰۴۸ھ

سید شاہ جمال قادری سہروردی لاہوری قدس سرہ

آپ میں ظاہری و باطنی اور صوری و معنوی سب کمالات بیک وقت

پائے جاتے تھے۔ آپ مظہر جلال اور مصدر کمال تھے۔ شیخ ککرا کے مرید تھے۔ ان کا سلسلہ عالیہ چند واسطوں سے شیخ شہاب الدین عمر سہروردی رحمتہ اللہ علیہ تک جا پہنچتا ہے۔ اس کی تفصیل یہ ہے:

شاہ جمال مرید ککرا بیگ وہ شاہ خرف کے مرید' وہ شاہ معروف کے مرید' وہ جعفر الدین کے مرید' وہ فیہ دین سہروردی کے' وہ شیخ جمال کے مرید تھے۔ شیخ جمال مرید شیخ عارف صدر الدین تھے۔ وہ شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی کے مرید تھے۔ وہ شیخ الشیوخ شہاب الدین عمر سہروردی کے مرید تھے۔ (رحمتہ اللہ علیہم اجمعین)

آپ حسینی سید تھے۔ اب تک آپ کی اولاد سیالکوٹ میں سکونت پذیر ہے۔ آپ دو حقیقی بھائی تھے۔ ایک آپ یعنی شاہ جمال اور دوسرے شاہ کمال۔ دونوں کمال و جلال میں مقام بلند رکھتے تھے۔ دونوں کے مزار لاہور میں ہیں۔

شاہ جمال نے لاہور میں اپنی خانقاہ بطور دمدمہ کے سات منزلہ عمارت تعمیر کروائی۔ جب اتنا اونچا مکان بن گیا۔ اکبر بادشاہ کی بیٹی سلطان بیگم کا باغ' مکان سیرگاہ اور تالاب مع بارہ دری کے آنجناب کی خانقاہ کے قریب تھا۔۔۔۔ وہ غضب ناک ہوئی۔ اس نے کہلا بھیجا کہ یہ خلاف ادب ہے کہ تم فقراء (جو دولت شاہی کے دعاگو ہو) ہمارے محل سے اونچا محل تعمیر کرو اور اس طرح ہماری بے ستری ہو۔ لہٰذا اگر آپ یہ دمدمہ خود گرا دیں تو بہتر ورنہ ہمارا قہر سلطانی بھی ہوگا اور دمدمہ بھی مسمار کر دیا جائے گا۔ شاہ جمال یہ پیغام سن کر ہنسے اور فرمایا۔ "دمدمہ تو آج رات میں خود ہی پست کر دوں گا تاہم فقیر کا یہ گھر قیامت تک باقی رہے گا۔ مگر شاہی باغ کچھ دنوں بعد ویران ہو جائے

گا"۔ چنانچہ رات آئی تو آپ کے حکم سے سماع شروع ہوا۔ جب ہنگامہ سماع گرم ہوا اور شیخ نے حالت مستی میں اٹھ کر وجد کیا تو فوراً سات منزلہ دمدمہ میں سے پانچ منزلیں زمین میں غرق ہو گئیں اور دو منزلیں زمین کے اوپر رہ گئیں جو اب تک موجود ہیں۔

مشہور ہے کہ حضرت شاہ جمال جب مذکورہ دمدمہ تعمیر کرنے لگے تو کثرت تعمیر عمارات سلطانی کے سبب معمار نہیں ملتے تھے۔ بہت تلاش کے بعد چند معمار آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور فرصت نہ ملنے کا عذر پیش کیا۔ آپ نے فرمایا "اگر تمہیں دن میں بادشاہی کام کی وجہ سے فرصت نہیں ملتی تو ہمارے دمدمہ کی تعمیر کا کام رات کو کر دیا کرو۔ اور اپنی اجرت دن کی اجرت کے مطابق لے لینا"۔ چنانچہ رات کو بہت سے معمار آ جاتے اور مشعلوں کی روشنی میں کام کرتے۔ ایک دن خانقاہ میں تیل نہ تھا۔ حضرت شاہ نے فرمایا "تیل کے بجائے چراغوں میں پانی ڈالا جائے اور چراغ جلائے جائیں"۔ خادموں نے ایسے ہی کیا اور تیل کی جگہ پانی ساری رات چراغوں میں جلتا رہا۔

ایک دن ایک بے اولاد شخص آپ کی خدمت میں آیا۔ اس کا نام دودمل تھا۔ کھتری قوم سے تھا اور بہل ہندو اس کا عرف تھا۔ حصول اولاد کی امید میں، دعا کروانے کے لیے یہ شخص کبھی کبھی آپ کے پاس آتا رہتا تھا۔ ایک دن وہ چند خربوزے آپ کے پاس لایا۔ آپ نے قبول فرمائے اور اسے دو خربوزے واپس کر دیے۔ خود آپ نماز عصر پڑھنے میں مصروف ہو گئے۔ اس ہندو نے سوچا کہ شاید حضرت نے مجھے یہ دونوں خربوزے چھیلنے کے لیے دیے ہیں اور نماز پڑھنے کے بعد تناول فرمائیں گے۔ وہ خربوزہ چھیلنے لگا۔ جب ایک خربوزہ کا چھلکا اتار چکا تو شیخ بھی نماز پڑھ چکے۔ آپ نے فرمایا

"ہائے یہ کیا کر دیا کہ اس خربوزہ کو چھیل ڈالا؟ ہم نے تمہیں یہ دونوں خربوزے اس لیے دیے تھے کہ تم اپنی بیوی کے پاس جا کر یہ کھاؤ گے اور جناب الٰہی سے تجھے دو بیٹے عطا ہوں گے۔ اب تم نے ایک خربوزہ چھیل ڈالا ہے تو خیر اچھا ہوا۔ اب بھی تمہارے دو لڑکے پیدا ہوں گے' ایک مسلمان اور ایک ہندو۔ مسلمان ہمارا مرید ہے اور ہندو بچہ' تمہارا بیٹا۔ وہ ہندو دونوں خربوزے اپنے گھر لے گیا۔ اسی رات اس کی بیوی حاملہ ہوئی اور نو ماہ کے بعد دو جڑواں بچے پیدا ہوئے۔ ایک مختون تھا اور دوسرا نامختون۔ وہ دل مختون بچے کو شیخ کی خدمت میں لایا۔ شیخ نے اس کا نام فخرالدین رکھا اور اپنی فرزندی سے سرفراز فرمایا۔ اپنے پاس رکھا اسے دولت ظاہری و باطنی عطا فرمائی۔ چنانچہ اب تک شیخ سلام الدین اور نبی بخش وغیرہ لاہور میں فخرالدین کی اولاد میں سے موجود ہیں۔ یہ حضرات اپنی نسبت فخرالدین شیخ کی طرف کرتے ہیں۔ وہ مکان جو حضرت شاہ جمال نے فخرالدین کو رہنے کے لیے خرید کر دیا تھا وہ لاہور کے محلہ جوڑے موڑی میں اب بھی موجود ہے اور شاہ جمال کا مکان کہلاتا ہے۔

ایک دن شیخ فخرالدین اپنے گھر پر تھا کہ شاہ جمال دروازے پر آئے۔ آواز دی اور کہا "فخرالدین اپنے اہل و عیال مع اسباب، اس گھر سے باہر نکال لو"۔ انہوں نے فوراً حکم کی تعمیل کی۔ جب گھر خالی ہوگیا تو گھر گر گیا۔ آپ نے فرمایا "یہ مکان گرنے کے قریب تھا۔ ہم صرف تیری جان و مال کی حفاظت کے لیے' خانقاہ سے یہاں افتاں و خیزاں آئے ہیں۔ الحمدللہ کہ تمہیں اس مصیبت سے رہائی ہوئی"۔

حضرت شاہ جمال کے سالانہ عرس کے موقع پر ایک منہ پھٹ گداگر' فاتحہ کے وقت حاضر ہوا۔ حضرت کو انتقال فرمائے تیس سال گزر چکے تھے۔

سجادہ نشین نے اسے دو خشک روٹیاں دیں۔ اس نے کہا "شاہ جمال کے مزار کا عجیب حال ہے کہ بے کفن روٹی ملتی ہے"۔ یعنی بغیر لازمہ (سالن، حلوہ وغیرہ) کے ملتی ہے۔ سجادہ نشین نے جواب دیا "اگر تیری مرضی یہی ہے کہ تجھے یہاں سے کفن ملے تو اس کا انتظام بھی ہو جائے گا"۔ آپ کی اس بات کے فوراً بعد اس کے اعضاء پر کپکپاہٹ طاری ہوئی۔ زمین پر گر پڑا اور مر گیا۔ چنانچہ اس کی قبر، اس خانقاہ میں عبرت گاہ بنی ہوئی ہے۔ نعوذ باللہ من غضب الاولیاء۔

قصہ وفات: آپ کے مزار کے نیچے ایک حجرہ اب بھی موجود ہے۔ یہ آپ کے عہد میں بھی تھا۔ آپ اکثر اوقات چہل روزہ عبادت کے لیے تشریف فرما ہوتے اور اس کا دروازہ اندر سے بند کر دیتے۔ جب آپ آخری چلہ کے لیے بیٹھے تو دروازہ آپ کے حکم سے بند کر دیا گیا۔ تیس دن کے بعد دروازہ کی اگلی طرف والی دیوار بارش کی وجہ سے گری۔ خدام نے چاہا کہ حجرہ کا دروازہ کھولیں تاکہ حضرت شاہ حجرہ سے باہر تشریف لے آئیں۔ اچانک حاضرین کے کانوں میں ایک آواز پڑی کہ "اب جو ہونا تھا ہو چکا۔ ہماری قبر اس حجرہ کے اوپر تعمیر کرنا اور اس حجرہ کو ہمارا مدفن تصور کریں"۔۔۔۔ چنانچہ اسی روز آپ کی قبر کا نشان، اس حجرہ کے اوپر چھت پر قائم کر دیا گیا۔ اور پہلے حجرہ کو اسی حالت پر چھوڑ دیا۔ یہ واقعہ ۲۴ ربیع الثانی ۱۰۴۹ھ میں شاہجہان کی سلطنت کے دور میں پیش آیا۔ آپ نے طویل عمر پائی جو سو سال سے زیادہ تھی۔۔۔۔

قطعہ

رفت از دنیا بخلد جاودان   چون جمال الدین کمال المعرفت
رحلتش "فیاض محسن شد عیان"   ہم "ولی الحق جمال المعرفت"

سید محمود شاہ نورنگ جھولہ بخاری قدس سرہ

آپ حضرت شاہ محمد بن سید عثمان لاہوری رحمتہ اللہ علیہ کے پانچویں صاحبزادہ ہیں۔ آپ سید جھولن شاہ المشہور گھوڑے شاہ کے حقیقی بھائی ہیں۔ فقرو تجرید میں بلند مرتبہ پر فائز تھے۔ پوری عمر دنیا اور اہل دنیا سے مستغنی و بے نیاز رہے۔

طالبان حق کو حق تک پہنچایا۔ طالبان غیر حق کی طرف آپ کی توجہ بالکل نہ تھی۔ بیماروں کی شفا اور دردمندوں کے علاج کے لیے آپ کی دعا' اکسیر کا حکم رکھتی تھی۔ بلکہ آپ نے اپنی زندگی میں فرمایا کہ ہماری وفات کے بعد بھی جو شخص ہماری قبر کی خاک کھائے گا یا ہمارے مدفن سے سنگریزہ اٹھا کر اپنے گلے میں لٹکا لے گا وہ شافی حقیقی کے حکم سے شفا پائے گا۔ چنانچہ اب تک یہ رسم باقی ہے کہ اکثر اوقات لاہور اور اس کے مضافات کے باشندے آپ کے مزار سے سنگریزہ اٹھا لاتے ہیں اور بیمار کے گلے میں باندھ دیتے ہیں۔

وفات: ۱۰۵۳ھ میں وفات پائی۔ آپ کا مزار لاہور کے موضع "محمود بوٹی" میں واقع ہے جو آپ کے نام سے مشہور ہے۔

قطعہ

شاہ محمود سید عالم ولی رحلت و دہر در جنان فرمود
گفت تاریخ رحلتش "سرور" شمع "عشاق سید محمود"
۱۰۵۳ھ

مولانا حیدر کشمیری نقشبندی سہروردی قدس سرہ

آپ کے والد کا نام فیروز تھا۔ خواجہ عبدالشہید نقشبندی احراری رحمتہ اللہ علیہ کے مرید و معتقد تھے۔ چونکہ اولاد نرینہ نہ تھی اس لیے آپ نے

خواجہ عبدالشہید کی خدمت میں عرض کی "میری چار بیٹیاں ہیں، بیٹا ایک بھی نہیں اس لیے پریشان ہوں"۔ خواجہ نے آپ کے حق میں دعا کی۔ دعا قبول ہوئی۔ اسی رات ان کی منکوحہ ثمر امید سے بارور ہوئی۔ ایام حمل کے خاتمہ کے بعد مولانا حیدر پیدا ہوئے۔

آپ مادرزاد ولی تھے۔ سات سال میں قرآن شریف حفظ کر لیا۔ گیارہ سال کے تھے کہ علوم حدیث و فقہ و تفسیر میں درس دینے لگے۔ ورع و تقویٰ اور اتباع سنت کو اپنا طریقہ بنایا۔ سلسلہ عالیہ نقشبندیہ میں اپنے والد کی بیعت کی۔ مگر تکمیل سے قبل ہی آپ کے والد گرامی کا وصال ہو گیا اس لیے آپ کشمیر سے دہلی پہنچے۔۔۔۔ اور مولانا عبدالحق محدث دہلوی رحمتہ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہو کر علوم ظاہری کی تکمیل کی۔ چنانچہ آپ ایک بے مثل عالم بنے اور فتویٰ دینے لگے۔ دوبارہ کشمیر میں رونق افروز ہوئے۔ بابا نصیر الدین سہروردی کے مرید ہوئے اور کامل اہل طریقت بنے۔۔۔۔

آپ نے مولانا جوہر کشمیری رحمتہ اللہ علیہ سے بھی ظاہری و باطنی فیض حاصل کیا۔ ان دنوں میں والی کشمیر تین بار آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور قاضی کشمیر بننے کی درخواست کی مگر آپ نے قبول نہ فرمایا۔ جب اس نے شدید تقاضا کیا تو آپ راتوں رات کشمیر سے کہیں اور چلے گئے۔ جب کوئی اور صاحب قاضی بن گئے تو آپ واپس کشمیر آ گئے۔

وفات: صاحب "تواریخ اعظمی" کے بقول آپ نے ۱۰۵۷ھ میں وفات پائی۔ مذکورہ کتاب میں "خیر الوریٰ" سے آپ کی تاریخ وفات نکالی گئی ہے۔

قطعہ

چو حیدر ز دارالفنا رخت بست | بجنت رسید آن ولی متقی
ز اعظم ولی ارتحالش بجو | بفرما دگر شیخ کامل ولی
۱۰۵۷ھ | ۱۰۵۷ھ

شاہ دولا دریائی گجراتی پنجابی قدس سرہ

آپ عظیم باکمال ولی تھے۔ باحال و قال بڑے مشائخ میں آپ کا شمار ہوتا ہے۔ فتوحات ظاہری و باطنی اور کمالات صوری و معنوی کے جامع تھے۔ آپ کے آباء کرام کا شجرہ شاہ بہلول لودھی رحمتہ اللہ علیہ تک جا پہنچتا ہے جبکہ روحانی سلسلہ شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی رحمتہ اللہ علیہ سے ملتا ہے۔ جس کی تفصیل کچھ اس طرح ہے۔

حضرت شاہ دولا مرید خلیفہ شاہ سیدنا سرمست مرید شاہ مونگا مرید شاہ کبیر مرید شیخ صدر الدین مرید شیخ بدر الدین مرید شیخ اسماعیل قریشی مرید حضرت شاہ صدر الدین راجن قتال مرید شیخ رکن الدین ابو الفتح ملتانی مرید شیخ صدر الدین عارف مرید غوث بہاء الدین زکریا ملتانی (قدس سرہم العزیز)

چشتی بزرگوں سے بھی آپ کو فیض کامل پہنچا۔

آپ چھوٹے ہی تھے کہ والدین کا سایہ سر سے اٹھ گیا۔ ظالموں نے آپ کو ہندوؤں کے ہاتھ بیچ ڈالا۔ چونکہ آپ نے غلامی کی حالت میں اپنے آقا کی خوب خدمت کی' اس لیے اس نے رہا کر دیا۔ آزاد ہوئے تو سیدنا سرمست سیالکوٹی رحمتہ اللہ علیہ کے پاس پہنچے۔ جو اپنے وقت کے قطب تھے۔ مرید ہوئے اور چند سال تک ان کی خدمت میں رہے۔ شیخ کا ایک اور مرید دولا نامی تھا۔۔۔ شیخ اسے اپنی دولت باطنی کی نعمت سے نوازنا چاہتے تھے۔ جب اس بزرگ کا آخری وقت آیا تو انہوں نے حجرہ کے اندر سے آواز دی۔ "دولا! آجا"۔ وہ دولا اس وقت حاضر نہ تھا۔ یہ شاہ دولا حاضر

ہوئے تو انہوں نے فرمایا۔ "میں نے تمہیں نہیں بلایا' دولا چاہیے"۔ شاہ دولا نکل کر حجرہ کے باہر بیٹھ گئے۔ ایک ساعت بعد انہوں نے دولا کو ایک بار پھر پکارا۔ چونکہ وہ حاضر نہ تھا۔ شاہ دولا حاضر ہوئے۔ شیخ نے نعمت باطنی سے انہیں سرفراز فرمایا اور کہا "جسے مولا دے وہ شاہ دولا ہو جاتا ہے"۔ یہ کہہ کر جان' جان آفرین کے حوالہ کی۔۔۔۔

اس کے بعد شاہ دولا ایک مدت تک سکر و جذب و ستی کی حالت میں رہے۔ حتیٰ کہ آپ سے فرض اور سنت بھی رہ جاتے تھے۔ آپ کا بیابانوں میں چیتوں' شیروں وغیرہ سے انس رہتا۔ ہوش میں آئے تو فتوحات ظاہری و باطنی آپ پر کھلیں۔ آپ سے بے شمار خوارق و کرامات ظاہر ہوئے۔ دنیا و عقبیٰ کے طلبگار آتے اور اپنی حاجتیں پوری کرتے۔ شاہین' باز' شیر' چیتا اور دوسرے بہت سے درندے آپ کی سرکار میں رہتے تھے۔۔۔۔ آپ کا ہاتھ خزانہ غیب پر تھا۔ بے شمار رقم خرچ کرتے یعنی مسکینوں کو عطا فرماتے۔ بہت سے لنگر جاری کیے۔ کنویں' سرائے' پل' مسجدیں وغیرہ تعمیر کرواتے۔ چنانچہ آپ کی بنائی ہوئی عمارتیں اب تک سیالکوٹ اور گجرات وغیرہ میں موجود ہیں۔ امراء اور بادشاہوں کی طرح آپ کا دربار تھا۔

آپ زیادہ تر مشاہدہ حقانی میں مستغرق رہتے۔ اکثر اوقات' اللہ کے ماسوا ہر چیز سے بے خبر ہوتے۔ سر مراقبہ میں رہتا۔ اس قدر تعلقات کے باوجود مجرد تھے۔ مشائخ متاخرین میں سے عالم ظاہر و باطن پر اس قدر تصرف و فتح کسی اور کو نہیں تھی جتنی آپ کو۔۔۔۔

آپ کی زبان سے بھلا برا جو کچھ نکلتا' اس کے مطابق ہی ہوتا۔ آپ کی دعا کا تیر کبھی بھی نشانہ سے نہ چوکتا۔ آپ سماع' وجد اور تواجد میں غلو سے کام لیتے۔ آپ کی مجلس کبھی سماع سے خالی نہ ہوتی۔ ایک دن حاسدوں'

دشمنوں اور خشک ملاؤں نے آپ کے خلاف ایک محضر نامہ لکھا اور آپ کو ایذا پہنچانی چاہی۔ مگر شاہجہان بادشاہ چونکہ بے تعصب تھا اس لیے آپ کو کچھ ایذا نہ پہنچائی جا سکی۔

اگر کوئی بے اولاد' حصول اولاد کے لیے آپ کی خدمت میں درخواست کرتا کہ آپ بارگاہ ربوبیت میں اس کے لیے دعا کریں تو آپ فرماتے۔ اگر پہلوٹھا بیٹا ہماری نذر کرو تو درگاہ خالق حقیقی سے تمہیں اولاد مل جائے گی۔ سوالی یہ شرط قبول کرتا۔ اب اس کے گھر میں جو پہلا لڑکا پیدا ہوتا' اس میں کچھ مخصوص علامات ہوتیں۔ پہلی' اس کا سر چھوٹا ہوتا۔ دوسری' گونگا اور بے زبان ہوتا۔ تیسری' مجذوب' مسلوب الحواس ہوتا۔ جب بچہ اس صورت میں پیدا ہوتا والدین اس کو آپ کے پاس لے آتے۔ آپ قبول فرما کر اپنے پاس رکھ لیتے۔۔۔۔ اس طرح سینکڑوں بچے جو "شاہ دولا کے چوہے" کہلاتے آپ کے پاس حاضر رہتے۔ انہیں لنگر سے خوراک ملتی۔ چنانچہ یہ کرامت آج تک آپ کے مزار سے بھی جاری ہے۔ سالانہ عرس کے موقعہ پر "شاہ دولا کے چوہے" دور دراز علاقوں سے آپ کے مزار پر اکٹھے ہوتے ہیں۔۔۔۔

اولاد کے خواہش مند حضرات و خواتین آپ کے مزار پر دور دراز کے شہروں سے آتے ہیں۔۔۔۔ یہ شرط قبول کرتے ہیں کہ اپنی اولاد میں سے پہلوٹھے لڑکے کا نذرانہ شاہ دولا رحمتہ اللہ علیہ کو دیں گے۔۔۔۔ چنانچہ ان کے گھر میں اسی شکل و شباہت کا بچہ پیدا ہوتا ہے تو اسے مزار پر پہنچا دیتے ہیں۔ چنانچہ اس سال (سال تالیف کتاب) دو دو ماہ کے چار بچے اسی شکل و شباہت کے مزار پر موجود ہیں۔۔۔۔

صاحب "معارج الولایت" فرماتے ہیں کہ بندہ حسن ابدال جاتے ہوئے شاہ دولا کی خدمت میں پہنچا۔ شاہ مراقبہ میں تھے۔ قوال' خواجگان چشت کی

مدح کر رہے تھے۔ آپ نے مراقبہ سے سر اٹھایا تو میرے حال پر توجہ کی اور شیرینی عطا فرمائی۔ میں نے عرض کی "بندہ عطاء ظاہری کا خواستگار نہیں۔ نعمت باطنی سے کچھ حصہ عطا ہو"۔ مسکرائے اور فرمایا "یہ تو لے لو وہ بھی دیتا ہوں"۔ چنانچہ بندہ کے حال پر بے انتہا ظاہری و باطنی عنایات کیں۔ ١٦٩، ١٩

وفات : بقول صاحب "مخبر الواصلین" ١٠٨٥ھ اور بقول صاحب "شجرہ چشتیہ" ١٠٧٥ھ میں وفات پائی۔ دوسرا قول زیادہ درست ہے۔ صاحب "شجرہ چشتیہ" نے سہروردی بزرگوں کے حالات میں آپ کی تاریخ وفات "بجنت رسید شہ دولا" اور "خدا دوست" سے اخذ کی ہے۔ آپ کا مزار پنجاب کے شہر گجرات میں زیارت گاہ خلق ہے۔ آپ کی اولاد میں سے پیر بہاون سادہ نے آپ کا مزار تعمیر کروایا۔ آج کل امام شاہ' آپ کے مزار پر سجادہ نشین ہیں۔

قطعہ

چوں شاہ دولا ولی باعزت و جاں | ز دنیا رفت در فردوس شادان
سر و رشد ندا تاریخ سالش | کہ شاہنشاہ دولا "قطب دوران"

١٠٧٥ھ

شیخ جان سہروردی لاہوری قدس سرہ

آپ ایک عالم و فاضل آدمی تھے۔ جامع کمالات ظاہر و باطن تھے۔ بیرون شہر لاہور میں مسجد قصاب خانہ میں درس دیتے تھے۔ طریقہ عالیہ سہروردیہ میں حضرت شیخ اسمٰعیل (المشہور میاں وڈے صاحب درس والے) کے مرید تھے۔ ہزاروں لوگوں کو مفت پڑھاتے اور کسی سے کوئی چیز نہ لیتے۔ رزق حلال کے لیے چکی چلاتے تھے۔

ایک دن شیخ محمد اسماعیل نے آپ سے پوچھا کہ گزر اوقات کے لیے کس طرح روزی کماتے ہو؟ عرض کی کہ بہرحال شکر ہے، بڑے آرام سے وقت گزر رہا ہے۔ فرمایا "حق تعالیٰ نے مجھے معلوم کروا دیا ہے کہ آپ رزق حلال کے لیے چکی چلاتے ہو؟ آئندہ چکی نہ چلانا"۔ پھر آپ نے ازراہ عنایت مرشدانہ ایک تعویذ عطا کیا اور کہا "یہ تعویذ اپنے گھر میں رکھ لو۔ جب دنیا کی نعمتوں سے سیر ہو جاؤ تو میرا تعویذ مجھے واپس لوٹانا"۔ آپ نے ایسا ہی کیا۔ تعویذ گھر لے گئے۔ اس قدر فتوحات ہوئیں کہ تین ہی دنوں میں وافر خزانہ جمع ہو گیا۔ اللہ کی نعمتوں کا شکریہ ادا کرتے ہوئے تعویذ واپس اپنے مرشد کی خدمت میں لائے اور عرض کی "اب دنیا کی نعمتوں سے بے نیاز ہو چکا ہوں۔ تاہم اگر اس تعویذ کو لکھنے کی اجازت دے دیں تو عین عنایت ہو گی"۔ حضرت میاں نے یہ تعویذ شیخ جان محمد کو تعویذ لکھنے کی اجازت دے دی۔ چنانچہ یہ تعویذ باجازت شیخ احمد دین حالیہ سجادہ نشین مزار محمد اسماعیل یہاں درج کیا جاتا ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۷۷۰۰۰۰ مصمصد

ایک شخص نے شیخ جان محمد کی خدمت میں آ کر عرض کی کہ میں بہت تنگی اور فاقہ سے رہ رہا ہوں۔ دن رات رنج و فقر میں گزرتے ہیں۔ میرے حال پر رحم فرمائیے۔ آپ نے فرمایا "ہر روز نماز کے بعد قبلہ کی طرف رخ کر کے بیٹھو اور ایک سو بار "سبحان اللہ" پڑھو۔ ایک ہفتہ بعد پھر اپنے حالات ہمیں بتاؤ"۔ اس نے ایسے ہی کیا۔ اس تسبیح کی برکت سے اس پر اسباب فتوحات کھلے۔ ایک ہفتہ کے بعد واپس آیا اور کہا "آپ کی مہربانی سے مجھے

دولت لازوال ملی"۔ فرمایا "مزید ایک ہفتہ اس تسبیح کا ورد کرو"۔ اس نے اب بھی حکم کی تعمیل کی۔ سات دن بعد حاضر ہو کر بتایا "اب تو زمین کے تمام خزانے جہاں وہ دفن ہیں، میرے لیے بے نقاب ہو چکے ہیں لیکن میری طبیعت ان کی طرف مائل نہیں ہوتی بلکہ میں چاہتا ہوں آپ کے وسیلہ سے اخروی دولت سے بہرہ مند بنوں"۔ اب وہ آدمی دنیا کا تارک ہوگیا۔ مرید ہوا۔ اس نے ظاہری و باطنی کمالات پائے۔

وفات : اقوال معتبر کی رو سے شیخ جان محمد نے ۱۰۸۲ھ میں وفات پائی۔ آپ کا مزار لاہور سے باہر مشرق کی طرف پر قصاب خانہ کی قدیم مسجد کے متصل ہے۔

شد ازین دنیا چو در خلد برین   پیر دین جان محمدؒ جان جاں
"شیخ دین حق" بگو تاریخ او   نیز فرما از "زبان عرش آستان"
۱۰۸۲ھ   ۱۰۸۲ھ

شیخ محمد اسماعیل مدرس سہروردی لاہور المشہور میاں کلاں قدس سرہ

آپ بزرگان دین اور مشائخ اہل یقین میں سے ہیں۔ بڑا مرتبہ اور اونچا مقام تھا۔ صاحب تدریس قرآن اور جامع علوم ہمہ دانی تھے۔ سلسلہ عالیہ سہروردیہ میں شیخ عبدالکریم کے مرید و شاگرد تھے۔ وہ مرید مخدوم طیب کے تھے۔

مخدوم طیب مرید مخدوم برہان الدین مرید مخدوم چلن مرید شیخ سیلون، مرید شیخ حسام الدین متقی ملتانی چشتی و سہروردی مرید سید شاہ عالم مرید سید برہان الدین قطب مرید سید ناصر الدین مرید سید جلال الدین مخدوم جہانیاں

مرید شیخ رکن الدین ابوالفتح ملتانی مرید شیخ صدر الدین عارف ملتانی مرید شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی۔

آپ کے والد کا نام شیخ اسماعیل فتح اللہ بن عبداللہ بن سرفراز ہے۔ آپ زمیندار کھوکھر قوم سے تعلق رکھتے تھے۔ آپ پہلے دریائے چناب کے کنارے موضع چتبہ میں رہتے تھے۔ جب شیخ اسماعیل اکبر بادشاہ کے دور میں ۹۹۵ھ میں پیدا ہوئے تو آپ کے والدین اس گاؤں سے نکل کر موضع لنگر مخدوم چلے گئے اور وہیں کی سکونت اختیار کر لی۔ والدین نے شیخ اسماعیل کو پانچ سال کی عمر میں' دینی علوم کی تعلیم کے لیے شیخ عبدالکریم سہروردی کے پاس بھیجا۔ جب آپ کی عمر بارہ سال تھی تو استاد نے آپ کو درس کے درویشوں کے لیے آٹا پیسنے کا فرض سونپا۔ آپ چکی چلانے لگے۔ ایک دن حضرت میاں اپنے حجرہ میں مشغول ذکر تھے۔ جس وقت مقررہ پر پسا ہوا آٹا مطبخ میں پہنچتا ہے' نہ پہنچا تو استاد نے ایک درویش آپ کے پاس بھیجا تاکہ وہ معلوم کرے کہ وقت مقررہ پر آٹا نہ پہنچنے کا سبب کیا ہے؟ درویش حجرہ میں آیا تو دیکھا کہ اسماعیل مشغول تجلی ہے۔ اسے علوم ظاہر کی کچھ خبر نہیں۔ چکی خود بخود چل رہی ہے۔ وہ یہ حال دیکھ کر حیران رہ گیا۔ واپس جا کر شیخ عبدالکریم کو آگاہ کیا۔ شیخ عبدالکریم نے بذات خود حجرہ میں آ کر دیکھا کہ واقعی چکی غیبی حکم سے محو گردش ہے۔ اسماعیل مراقبہ میں سر ڈالے دنیا و مافیہا سے بے خبر ہے۔ شیخ عبدالکریم بہت خوش ہوئے۔ اس لڑکے کی مشغولی پر شاباش دی اور لڑکے کو اسی حالت میں چھوڑ کر باہر تشریف لے گئے۔ کچھ دیر کے بعد جب شیخ اسماعیل اپنی حالت میں آئے' آٹا جمع کر کے باورچی خانے میں پہنچا دیا اور خود استاد کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ استاد نے فرمایا "آج سے چکی پیسنے کا کام تم نہیں کرو گے کیونکہ تمہیں یہ خدمت سونپنے سے عالم بالا

کے فرشتوں کو زحمت دینی پڑتی ہے۔

میاں اسماعیل نے علم باطنی میں کمال حاصل کرنے کے بعد اپنے مرشد سے رخصت چاہی۔ لنگر مخدوم سے نکلے۔ وہاں سے دس کوس کے فاصلہ پر دریائے چناب کے کنارے ایک شیشم کے درخت کے نیچے قیام کیا۔ چند ماہ میں ایک سو چالیس درویش آپ کے پاس اکٹھے ہو گئے اور کمال تک پہنچ کر رخصت ہوئے۔ حضرت میاں ربانی اشارہ پا کر وہاں سے لاہور آئے اور ۴۵ سال کی عمر میں لاہور کو رونق بخشی۔ محلہ تیل پورہ (بیرون شہر لاہور کی ویرانی کے بعد آپ کا مزار آج کل جہاں ہے) آ کر قیام کیا۔ مخلوق کی تدریس، تعلیم اور تلقین کرنے لگے۔ پہلے چالیس دن تک پیر علی مخدوم گنج بخش ہجویری رحمتہ اللہ علیہ کی خانقاہ عالی جاہ پر معتکف رہے۔ پھر اپنی جگہ تشریف لے گئے۔ علم حق کے طالبوں کی بڑی تعداد آپ کے گرد جمع ہو گئی۔

محلہ تیلی پورہ کی متصل محلہ گنج پور میں ایک پرانی مسجد تھی۔ ایک ماہر ہندو جوگی اس مسجد میں رہتا تھا۔ چونکہ جوگی مرد باکمال تھا اس لیے کوئی بھی مسلمان اس کو مسجد سے نکال نہیں سکتا تھا۔ آخر حضرت میاں، اس بات کے لیے تیار ہوئے کہ اس مسجد میں قیام فرمائیں۔ آپ جوگی کے پاس گئے اور فرمایا "یہ مسجد عبادت گاہ اسلام ہے۔ تمہارا یہاں رہنا حرام ہے۔ ہمیں حکم ہے کہ یہاں رہیں۔ تم یہاں سے چلے جاؤ"۔ جوگی نے صاف انکار کیا۔ آپ نے اسے دوبارہ اشارہ کیا۔ اس نے کہا "یہ مسجد مجھ سے مانوس ہے، اگر میں جاؤں گا تو یہ مسجد بھی میرے ساتھ جائے گی"۔ یہ کہا اور پاؤں مسجد سے باہر رکھا۔ ابھی جوگی نے ایک قدم بھی نہ اٹھایا کہ مسجد اپنی جگہ سے ہلی اور قریب تھا کہ جوگی کے پیچھے چلے کہ حضرت میاں نے ہاتھ میں پکڑا ہوا عصا، دیوار پر مارا اور فرمایا کہ "رک جاؤ"۔ مسجد فوراً رک گئی۔ جب جوگی نے یہ

زبردست خوارق دیکھی تو اس نے آپ کے قدموں پر سر رکھا اور اپنی راہ لی۔

حضرت میاں نے اس مسجد میں قیام کیا۔ خلوق کی تدریس و ہدایت میں مصروف ہو گئے۔ بعد میں ایک شاہجہانی دایہ نے اس مسجد کو دوبارہ تعمیر کروایا۔ اب تک یہ مسجد حضرت میاں کے مزار پرانوار کے احاطہ میں موجود ہے اور اب تک اس میں درس قرآنی جاری ہے اور انشاء اللہ تعالٰی قیامت تک جاری رہے گی۔

حضرت میاں صاحب رحمتہ اللہ علیہ طالب علموں کو قرآن شریف کا سبق خود دیتے تھے۔ آپ کی زبان کی برکت سے طالب علم چند مہینوں میں حافظ قرآن بن جاتے تھے۔ ایک شخص آپ کی خدمت میں آیا اور عرض کی کہ میری زوجہ منکوحہ حافظ قرآن ہے اور میں ان پڑھ' اس لیے وہ مجھے اپنی قربت سے روکتی ہے اور کہتی ہے "میں حافظ قرآن ہوں اور تو جاہل۔ تیرے قرب سے میرے دل میں جو قرآن ہے اس کی بے ادبی نہ ہو جائے۔ اس لیے میں آپ کی خدمت میں آ کر التجا کرتا ہوں کہ میرے لیے دعائے خیر کریں کہ میں حافظ قرآن بن جاؤں۔ فرمایا اگر تم چھ ماہ تک ہمارے پاس رہو حافظ قرآن بن جاؤ گے۔ وہ یہ سن کر زار و قطار رویا اور کہا "یا حضرت اب نہ صبر در دل عاشق نہ آب در غربال۔ میں تو دو دن صبر نہیں کر سکتا چہ جائیکہ چھ ماہ تک قربت معشوق سے الگ رہ جاؤں"۔ یہ سن کر دریائے رحمت جوش میں آیا اور فرمایا "کل جب میں نماز فجر قعدہ اخیر میں سلام پھیرنے لگوں تو چاہیے کہ تم ہمارے دائیں طرف ہو انشاء اللہ اپنا مقصد حاصل کر لو گے"۔ صبح سویرے سائل مسجد میں حاضر ہوا اور آپ کے حکم کے مطابق تعمیل کی۔ آپ کی نظر کیمیا اثر سے فوراً حافظ قرآن ہو گیا۔ بلکہ جتنے بھی ان پڑھ دائیں

طرف تھے حافظ قرآن بن گئے اور بائیں طرف جو ان پڑھ تھے وہ ناظرہ خوان بن گئے۔ سائل نے جب اپنے کو حافظ قرآن پایا تو اللہ کا شکر کرتے ہوئے مرید ہوگیا اور اپنی مراد پالی۔

شیخ محمد اسماعیل نے بارہا فرمایا کہ حفظ قرآن کا فیض' میرے فوت ہونے کے بعد' ہماری قبر کی خاک سے بھی جاری رہے گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔۔۔۔ آپ کی وفات کے بعد آپ کے تایا زاد بھائی شیخ محمد صالح نے ۵۵ سال تک' حافظ محمود نے ۴۲ سال تک' حافظ معز الدین نے ۳۵ سال تک اور حافظ شرف الدین نے ۶۰ سال تک آپ کے مزار پر علم قرآنی کی تعلیم دی۔۔۔۔ جب حافظ شرف الدین ۱۲۷۰ھ میں فوت ہوئے تو ان کے صاحبزادے حافظ احمد الدین نے اس کار خیر پر کمر ہمت باندھی۔

آج کل ایک سو پچاس نابینا اور بینا اشخاص اس مدرسہ معلی میں علم قرآن کی تعلیم حاصل کر رہے ہیں۔ انہیں دو وقت کا کھانا اور باقی ضرورت کی چیزیں مدرسہ سے دی جاتی ہیں۔ حافظ احمد الدین کے سجادہ نشین کا سلسلہ نسبت آبائی محمد اسماعیل کے بزرگوں تک یوں پہنچتا ہے کہ آنجناب کے جد سوم دو بھائی تھے۔ ایک سرفراز اور دوسرے شہنواز محمد اسماعیل۔ فرزند شیخ فتح اللہ بن عبداللہ بن شاہنواز۔۔۔۔ اور حافظ احمد الدین بن شرف الدین بن معز الدین بن محمود بن محمد ابن صالح بن حیات بن سرفراز۔

حافظ اللہ بخش' حضرت محمد اسماعیل کے کامل خلفاء میں تھے۔ وہ بڑے مجسم اور فربہ تن تھے۔ پہلی دفعہ جب بیعت کرنے اور مرید ہونے کے لیے آئے تو شیخ ان کے موٹاپے کی وجہ سے مسکرائے اور ان کے موٹے موٹے پستان دیکھ کر فرمایا۔ "حافظ اللہ بخش لویرہ (یعنی شیردار) ہے"۔ آپ کا یہ فرمان تھا کہ حافظ اللہ بخش کے دونوں پستانوں میں دودھ اتر آیا۔ یوں وہ فی

الحقیقت لوریہ ہو گئے۔ لوریہ پنجابی زبان میں اس بھینس، گائے یا بکری کو کہتے ہیں جو شیردار اور بچہ دار ہو۔ حافظ ساری زندگی لوریہ کہلاتے رہے۔ لوریہ کے نام سے ایک موضع اب تک آباد ہے۔

میاں صاحب کے خلفاء: میاں صاحب کے خلفاء اتنے زیادہ ہیں کہ احاطہ شمار سے باہر ہیں۔ مگر ان میں سے چند ایک کے اسماء گرامی یہاں تبرکاً درج کیے جاتے ہیں۔ ان میں سے اول شیخ محمد صالح ہیں۔ یہ آپ کے برادر ہم جدی ہیں۔ ان کے علاوہ میاں جان محمد لاہوری، جان محمد ثانی، شیخ محمد ہاشم، شیخ عبدالحمید، عبدالکریم قصوری، اخوند محمد عثمان، اخوند محمد عمر، امانت خان، حافظ عبداللہ ساکن کیوالی، حافظ محمد فاضل، حافظ اللہ بخش، حافظ محمد حسین آوان، حافظ فتح محمد خوشحالی اور مولوی تیمور لاہوری۔ یہ حضرات آپ کی وفات کے بعد مسند آرائے تدریس و تلقین ہوئے۔

وفات: ۵ر شوال ۱۰۸۵ھ میں عالمگیر کے عہد سلطنت میں فوت ہوئے۔ آپ کا مزار لاہور کا مشہور ترین مزار ہے اور زیارت گاہ خلق ہے۔ آپ کے مزار کے دروازوں پر یہ قطعہ تاریخ وفات درج ہے۔

شنو تاریخ آن دریائے معنی — کہ عمرش گشتا در عشق خدا صرف
دل و جان کرد قربان الٰہی — کہ اسماعیل ثانی بود بے حرف

۱۰۸۵ھ

قطعہ از مؤلف

جناب شیخ اسماعیل مرحوم — ولی حق قبول لا یزالی
چو جستم سال تولیدش ندا شد — خلیل اللہ اسماعیل والی

۱۰۸۵ھ

شیخ حسن لالو کشمیری قدس سرہ

خطہ دلپذیر کشمیر کے ایک بزرگ ہیں۔ لالو اس وجہ سے کہلاتے ہیں کہ آپ لالووں کی مسجد میں رہتے تھے۔ لالو کشمیر کا ایک قبیلہ ہے۔ لار کے رگند میں اکس نامی گاؤں میں پیدا ہوئے۔ آپ کے جدامجد خواجہ عطار' سید جمال الدین بخاری دہلوی کے مرید اور شیخ حمزہ کشمیری رحمتہ اللہ علیہ کے تربیت یافتہ تھے۔ آپ کے والد گرامی کپڑے کے تاجر تھے۔ آخر بابا نصیب الدین کے مرید ہوئے۔ اور تکمیل کی۔

آپ اپنے والد کے مرید تھے۔ بابا نصیب الدین سے بھی باقی ماندہ تکمیل ہوئی۔ تجرید و تفرید پر عمل تھا۔ آخر میں گھربار بسایا اور محلہ خلاص پورہ میں امامت اختیار کی۔ اپنی عمر حجرہ میں گزار دی۔ عبادت و ریاضت میں مصروف رہے۔ بڑھاپے اور کمزوری کے باوجود مدرسہ ملا ابوالفتح میں جاتے اور دینی مسائل پر بحث کرتے۔

وفات : بقول صاحب تذکرہ اعظمی ۱۰۹۹ھ میں فوت ہوئے۔ اور حضرت مخدوم کے پڑوس میں مدفون ہوئے۔

قطعہ

حسن چون ز دار جہان رخت بست — بتاریخ ترحیل آن اہل راز
یکی "شیخ محبوب سبحانی" است — دگر "بار شیخ حسن بانیاز"
۱۰۹۹ھ — ۱۰۹۹ھ

شیخ بھرام کشمیری قدس سرہ

ابتداء میں تجارت کرتے تھے۔ بعد میں بابا نصیب الدین رحمتہ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہو کر مرید ہوئے' کمال حاصل کیا۔ القائے ربانی کا مقصد حاصل کیا۔ ہمیشہ صائم الدہر رہتے۔ ترک لذات کے سلسلہ میں دودھ اور

گوشت ترک کر دیا تھا۔ نہایت شوق سے سفر میں قدم رکھا۔ زیارت حرمین شریفین سے مشرف ہوئے اور واپس کشمیر آ گئے۔ اگرچہ آپ کشف و کرامات کے اظہار میں ازحد پرہیز کرتے تھے تاہم بے اختیار آپ سے بے شمار کرامات واقع ہو جاتیں۔ کثرت زہد و ریاضت سے آپ کا جسم مبارک اتنا لاغر و ضعیف ہوگیا کہ ہڈیوں پر چمڑا رہ گیا اور گوشت قسم کی کوئی چیز نہ رہی۔ شیخ کشمیری لوگوں کی طرف ہمیشہ گھاس کا جوتا پہنتے۔ ہر موسم میں ٹھنڈے پانی سے وضو کرتے۔ آخر اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے آپ کی رہائش گاہ سے پانی کا چشمہ جاری کر دیا جس کا پانی سردیوں میں گرم اور گرمیوں میں سرد ہوتا تھا۔ شیخ اسی سے وضو اور غسل کرتے تھے۔

صاحب "تواریخ اعظمی" لکھتے ہیں۔ ایک دن شیخ مراد اپنے ایک ساتھی کے ساتھ، شیخ بہرام کی ملاقات کے لیے تشریف لے گئے۔ راستہ میں کہا "اگر آج حاجی بہرام، ہمارے لیے مابری (ایک کشمیری کھانا) کا انتظام کریں اور ہم مل کر کھائیں تو یہ ان کی کرامت سے بعید نہیں ہے"۔ ملاقات کے بعد کھانا آیا تو وہ مابری تھا۔ کھانے سے فراغت کے بعد شیخ بہرام نے شیخ مراد سے فرمایا۔ "آج کتنا اچھا دن ہے کہ آپ اور ہم نے مل کر مابری کھایا"۔

وفات: نوے سال کی عمر میں ۱۰۱۱ھ میں (بقول صاحب تواریخ اعظمی) وفات پائی۔ آپ کا مزار خطہ کشمیر جنت نظیر میں ہے۔

قطعہ

شیخ بہرام ولی عالی ہافت زین دہر چو درخلد مقام
گفت تاریخ وصالش "سرور" "مخزن دین محمد بہرام"

۱۰۱۱ھ

شیخ یعقوب کشمیری قدس سرہ

آپ بابا نصیب الدین رحمتہ اللہ علیہ کے عاشق جانباز اور یار ہمراز تھے۔ ابتداء میں قصہ خوانی اور طبل نوازی میں مشغول تھے۔ جب بابا نصیب الدین کی خدمت کا شرف ملا تو مجاہدہ اختیار کیا اور مستانہ عشق حقانی ہوئے۔ کامل استغراق حاصل کیا حتیٰ کہ اپنی خبر بھی نہ ہوتی۔ چنانچہ شیخ داؤد مشکوتی نے "کتاب الاسرار" میں لکھا ہے۔ ایک بار شیخ یعقوب' کوہ کشمیر کی ایک غار میں خلوت نشین ہوئے اور وہاں آدھا مہینہ کھائے' لیٹے اور سوئے بغیر گزار دیا۔ ایک دفعہ رات کے وقت پیر پنجابی کے زمینداروں کے گھر تشریف لے گئے چونکہ رات کافی گزر چکی تھی اس لیے کسی نے دروازہ نہ کھولا۔ آخر برف پر بیٹھ گئے اور صبح تک ذکر اور حبس نفس میں مشغول رہے۔ ذکر کی گرمی سے وہاں کی برف پانی ہوگئی بلکہ خشک زمین نمودار ہوئی۔ آپ کی مدہوشی و مستی کا یہ عالم تھا کہ پاؤں میں زنگولہ (گھنگھرو) باندھتے۔ مرغ کا پر اپنے سر پر رکھتے اور رقص کرتے یہ رقص پورے ٹھہراؤ اور جماؤ کے ساتھ ہوتا۔ ۱۰۰۶ھ میں رحمت حق سے جا ملے اور اسلام آباد میں دفن ہوئے۔

قطعہ

چو یعقوب مجذوب مہتاب عشق	شدہ جلوہ گر از جہان در جنان
دگر "یار یعقوب مہتاب عشق"	وصالش "ولی خدا مجتبیٰ" است
۱۰۰۶ھ	۱۰۰۶ھ

سید زندہ علی بن سید عبدالرحیم بن صفی الدین بن میران محمد شاہ موج دریا بخاری قدس سرہ

شیخ عابد و زاہد اور متقی تھے۔ سیادت' نجابت اور شرافت کے جامع تھے۔ اپنے آباء کرام سے ارادت کا تعلق تھا۔ اپنے پدر عالی قدر کی وفات کے بعد

سجادہ مشیخیت کو رونق بخشی۔

آپ کے والد محترم کا جہاں مقبرہ ہے اس علاقہ کے کنووں کا پانی بہت زیادہ شور اور کڑوا تھا۔ یہاں کے باشندے ایک بہت بڑے اجتماع کی صورت میں آپ کی خدمت میں پہنچے اور آپ کے خادموں بوڑااور توڑا کے توسط سے' میٹھے پانی کی درخواست کی۔ فرمایا "نیا کنواں کھودو انشاء اللہ میٹھا پانی نکلے گا"۔ انہوں نے نیا کنواں کھودا۔ میٹھا پانی نکلا بلکہ چند ہی سالوں میں اس علاقے کے سب کنووں کا پانی ٹھنڈا اور میٹھا ہوگیا۔ اس سرزمین میں تلخی و شوری کا نشان باقی نہ رہا۔

ولادت و وفات : آپ ۱۰۵۰ھ میں پیدا ہوئے۔ ۱۱۱۱ھ میں فوت ہوئے۔ آپ کا مزار حضرت موج دریا بخاری رحمتہ اللہ علیہ کے روضہ کے احاطہ کے باہر ہے۔ جو "زندہ امام کی خانقاہ" سے مشہور ہے۔

قطعہ

پیر زندہ علی ولی خدا مرشد و راہنمائے خاص و عام
"خازن جنت" است تر حیلش "نیز نور بہشت زندہ امام"
۱۱۱۱ھ ۱۱۱۱ھ

شیخ عبدالرحیم قادری و سہروردی کشمیری قدس سرہ

کشمیر کے بڑے بزرگوں میں سے ہیں۔ پہلے لاہور میں سلسلہ عالیہ قادریہ میں حضرت میں میر بالا پیر لاہوری کے مرید ہوئے۔ ریاضت و مجاہدہ سے مقام بلند پر پہنچے۔ بعد ازاں ملا شاہ قادری کی ہمرکابی میں کشمیر تشریف لے گئے۔ چونکہ وہ جگہ اچھی تھی اور مقام دلکش تھا۔ آپ کو عبادت، کے لیے گوشہ تنہائی میسر آگیا اس لیے آپ وہیں کے ہو رہے۔ شب و روز تعلیم و تلقین

میں گزار دیتے۔ اپنے حالات زیادہ تر مخفی رکھتے۔

بعد میں کشمیر کے سہروردی حضرات جیسے شیخ نصیب الدین وغیرہ سے اس سلسلہ کا فیض اٹھایا۔ سلسلہ نقشبندیہ میں خواجہ نظام الدین نقشبندی سے خرقہ خلافت حاصل کیا۔

طالب جس سلسلہ میں چاہتا آپ کا مرید ہو جاتا۔ دنیا و آخرت دونوں کے طالب آپ کی برکات سے مستفید ہوتے۔ کوئی بھی سوالی آپ کی بارگاہ میں حاضر ہو کر محروم نہ ہوتا۔ حضرت شیخ فرمایا کرتے تھے کہ جب کوئی طالب دنیا کسی ولی کی خدمت میں آکر اپنی مراد پا لیتا ہے تو زیادہ صدق و یقین سے اس کے دل میں اولیاء کی محبت پیدا ہو جاتی ہے۔ اور پھر رفتہ رفتہ وہ دنیا سے دین کی طرف مائل ہو جاتا ہے۔ بالآخر کمالات طریقت تک جا پہنچتا ہے۔ غرضیکہ شیخ عبدالرحیم نے کمال استقلال سے کشمیر میں ۳۹ برس گزار دیے۔ آخر جب وعدہ **اذا جاء اجلھم لا یستاخرون ساعتہ ولا یستقدمون** نزدیک پہنچا تو آپ مرض فالج میں گرفتار ہوئے۔ ماہ صفرالمظفر ۱۱۱۵ھ میں اس دنیا فانی سے عالم باقی کی جانب کوچ کیا۔ آستانہ خواجہ صدر الدین رحمتہ اللہ علیہ میں مدفون ہوئے۔

قطعہ

رفت چون از فضل رب ایزدی — از جہان اندر جنان عبدالرحیم
سال تر حیلش بگو "دریائے فیض" — ہم بگو "خاص جہاں عبدالرحیم"
۱۱۱۵ھ — ۱۱۱۵ھ

شیخ جان محمد لاہوری رحمتہ اللہ علیہ

شیخ اسمٰعیل میاں وڈے لاہوری رحمتہ اللہ علیہ کے خلیفہ اور مرید تھے۔ آپ طریقت و شریعت اور فقہ و حدیث میں عالم کامل اور مقتدائے زمانہ

تھے۔ لاہور شہر سے باہر کی ایک آبادی محلّہ پرویز آباد میں رہتے تھے۔ بچپن میں شیخ اسماعیل ہی کے ایک خلیفہ شیخ اسماعیل سے علم حاصل کرتے تھے۔ ایک دن استاد کے ساتھ حضرت وڈے میاں کی خدمت میں حاضری دی۔ حضرت میاں چونکہ اس وقت خوش دل تھے اس لیے آپ سے مخاطب ہو کر فرمایا۔ "بیٹا! جب تم عالم فاضل ہو جانا تو ہمارے ساتھ احادیث کا تکرار کرنا"۔ جان محمد بسبب شرم و حیاء اور غایت ادب سے خاموش رہے۔ شیخ عبدالحمید نے کہا "بیٹا! کہو کہ اگر آپ کی توجہ سے تحصیل علم میں کامیاب ہوگیا تو آپ کی خدمت میں حاضر رہوں گا"۔ شیخ جان محمد نے یہ الفاظ دہرائے۔ حضرت میاں نے ہاتھ اٹھا کر ان کے حق میں دعائے خیر کی۔ یہ دعا قبول ہوئی اور جان محمد نے چند ماہ میں علوم ظاہری میں استعداد کامل حاصل کرلی۔ ادھر شیخ عبدالحمید نے جب دیکھا کہ جان محمد مجھ سے قوت علمی میں بڑھ چکا ہے اور ابھی آپ کی ہمت بلند پرواز ہے تو اپنے سے الگ کر کے شیخ تیمور کے حوالہ کیا' جو اس وقت لاہور کے بہت بڑے عالم تھے۔ آپ نے ان سے بھی تھوڑی ہی مدت میں "تفصیل نامہ" حاصل کرلیا اور دستار فضیلت باندھ لی——

ایک دن حضرت میاں اپنے مدرسہ میں مراقبہ کر رہے تھے کہ آپ کے دل میں جان محمد کا خیال آیا۔ آپ نے فوراً انہیں اپنی طرف جذب کیا۔ وہ بھی اس کشش سے فوراً حاضر خدمت ہوئے۔ حجرہ کے دروازہ پر پہنچ کر آواز دی تو حضرت میاں نے اندر بلایا۔ بغلگیر ہوئے۔ نعمت وافر عطا کی اور مراتب اولیاء تک پہنچایا اور فرمایا کہ اب تمہارے وعدہ کو پورا کرنے کا وقت آیا ہے۔ آئندہ سوموار اور جمعہ ہمارے پاس آکر احادیث کا تکرار کرنا۔ چنانچہ جب تک میاں وڈے صاحب بقید حیات رہے' شیخ جان محمد ایام مقررہ پر

آنجناب سے تکرار احادیث کرتے۔ جس حدیث میں شبہ ہوتا حضرت میاں مراقبہ فرما کر حضرت شاہ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کی روح سے تصحیح کروا لیتے۔

جب شیخ جان محمد رحمتہ اللہ علیہ نے وفات پائی تو اپنے رہائشی محلہ پرویز آباد میں دفن ہوئے۔ چند سال کے بعد اس محلہ کے نمبردار نے خواب میں دیکھا کہ میاں جان محمد فرماتے ہیں "میری لاش یہاں سے نکال کر حضرت میاں وڈے کی قبر سے متصل دفن کرو اور اگر تو یہ کام نہیں کرے گا تو تیرے محلہ کو بڑی مصیبت کا سامنا کرنا پڑے گا"۔ نمبردار صبح سویرے اٹھا۔ حضرت کی نعش وہاں سے نکالی اور وڈے میاں کی قبر کے متصل دفنا دی۔ ادب کے لحاظ سے شیخ جان محمد کا سر' میاں وڈے کی قبر کے برابر رکھا۔ جب وہ رات گزر گئی تو صبح سویرے دیکھا کہ شیخ جان محمد کی قبر بھی حضرت میاں کے برابر ہو چکی ہے۔

وفات: آپ نے ۱۱۳۰ھ میں وفات پائی۔ آپ کی قبر پر مندرجہ ذیل قطعہ تحریر ہے ـــــ

قطعہ

جہان معنی و جان محمد ۔۔۔ کہ از عشق محمد گشت محمود
خرد از فضل حق تاریخ سالش ۔۔۔ "وصال عاشق و معشوق" فرمود

قطعہ از مؤلف

چو درخلد معلی گشت روشن ۔۔۔ مہ روی زمین جان محمد
بگو "خورشید سال" ارتحالش ۔۔۔ بفرما "شیخ دین جان محمد"
۱۱۳۰ھ ۔۔۔ ۱۱۳۰ھ

شیخ حامد قادری سہروردی قدس سرہ

آپ کے والد بزرگوار کا نام حسن ہے۔ علوم ظاہر و باطن، زہد و ورع تقویٰ کے جامع تھے۔ قرات قرآن اور تلاوت کا حق ادا کرنے میں، خطہ پنجاب میں آپ کے دور میں آپ کا کوئی ثانی نہ تھا۔ لاہور شہر میں درس دیتے تھے۔ طریقہ عالیہ سہروردیہ میں مولوی تیمور لاہوری کے مرید اور خلیفہ تھے۔ آپ کے مرشد کا سلسلہ مریدی یوں ہے۔

مولوی تیمور مرید مولدی عبدالکریم مرید مخدوم طیب مرید شیخ برہان الدین مرید مخدوم چنن مرید شیخ میلون مرید شیخ حسام الدین متقی ملتانی (رحمتہ اللہ علیہم اجمعین)

حضرت حامد قادری رحمتہ اللہ علیہ اپنے وقت کے مرشد اور منفرد استاد تھے۔ حکام وقت آپ سے حسن عقیدت رکھتے تھے۔ آپ سے بہت سی خوارق کرامات ظاہر ہوئیں۔

ولادت و وفات: ۱۰۷۱ھ میں عالمگیر بادشاہ کے عہد میں پیدا ہوئے۔ ۱۱۶۶ھ میں بتاریخ ۱۷ر جمادی الثانی ۹۵ سال کی عمر میں وفات پائی۔

قطعہ تاریخ ولادت و وفات از مؤلف

حامد آن قاری قرآن العظیم　　بود محبوب جناب ذوالمنن
"افضل و اقطاب والا جاہ گو"　　سال تولیدش باقوال حسن

۱۰۷۱ھ

بہر تاریخ وصال آنجناب　　گفت سرور "حافظ و حامد حسن"

۱۱۶۶ھ

شیخ کرم شاہ قریشی قدس سرہ

خاندانہ سلسلہ سہروردیہ کے شیخ ہیں۔ آپ کے آباء کرام کی نسبت شیخ

عبدالجلیل لاہوری تک یوں پہنچتی ہے۔ شیخ کرم بن شاہ ابو الفتح بن شیخ ابوالحسن ثانی بن شیخ فخرالدین بن شیخ ابوالفتح بن برخوردار بن شیخ ابوالفتح بن شیخ عبدالجلیل قطب العالم لاہوری (قدس سرہم العزیز)

آپ طریقت میں اپنے والد گرامی کے مرید تھے۔ یوں یہ سلسلہ ارادت بھی سلسلہ آباء کی طرح قدم بر قدم ہے۔ آپ نے ساری عمر ہدایت خلق میں گزار دی۔ آخر جب سکھوں کے خروج سے پنجاب میں تفرقہ عظیم پیدا ہوا۔ سکھوں نے پورے پنجاب خاص طور پر لاہور میں لوٹ مار کی تو یہ عظیم شہر بھی ویران ہوگیا۔ آپ لاہور شہر سے ہجرت فرما کر اپنے اہل و عیال سمیت لکھنؤ پہنچے۔ کچھ مدت شیخ نور الحسن قریشی عقیلی ہاشمی کے پاس رہے جو آپ کے نانا تھے۔ واپسی میں جب لکھنؤ اور دہلی کے درمیان شاہ جہان پور میں پہنچے تو ڈاکوؤں کے ہاتھوں شربت شہادت پیا اور وہیں مدفون ہوئے۔ صاحب "اذکار قلندری" نے آپ کا واقعہ وفات ۱۲۰۰ھ سال کے آخر کا بیان کیا ہے۔ یعنی ۱۲۰۱ھ کا آغاز قریب تھا۔

قطعہ از مؤلف

مکرم شیخ دین حضرت کرم شاہ	شہ مسعود رضی اللہ عنہ
ز خورشید عطا دل جست سالش	دگر فرمود رضی اللہ عنہ

شیخ سکندر شاہ بن کرم شاہ قریشی قدس سرہ

آپ شجاعت و سخاوت، زہد و ورع اور تقویٰ میں بے مثال تھے۔ فقر و فنا میں صاحب حال و قال تھے۔ اپنے مرشد کی خدمت کرتے تھے۔ آپ کے حالات عجیب تھے۔ طبع موزوں پائی تھی۔ اس لیے اکثر اوقات اشعار کہتے۔ چنانچہ یہ دونوں مطلع آپ کا کلام ہے۔

بتار موی مژگان دو ختم این چشم حیران را

رفو از رشتہ جان کردہ ام خاک گریبان را

خیال روئے تو بامن چنان ہم آغوش است
کہ کار ہر دو جہاں از دلم فراموش است

وفات: بقول صاحب "اذکار قلندری" آپ نے ۱۲۱۴ھ میں وفات پائی۔ بیس سال کی عمر میں فوت ہوئے۔ آپ کا مزار' لاہور میں شیخ عبدالجلیل قطب العالم کے مزار کے متصل ہے۔

قطعہ از مؤلف

چوں سکندر بادشاہ دو جہان یافت از حق دولت ایصالی مفت
عقل سال ارتحال آنجناب "عارف اکبر سکندر شاہ" گفت
۱۲۱۴ھ

شیخ شاہ مراد قریشی لاہوری بن شیخ کرم شاہ قدس سرہ

اپنے والد کے دادا سے ارادت تھی۔ عابد و زاہد' متقی اور صاحب تصانیف تھے۔ چنانچہ کتاب "مراۃ العاشقین" ترجیع بند مسمی "ماریدان" بروزن "ماتقیان" فارسی میں اور "دیوان مراد مراد المحبین" اردو زبان میں نظم کیا ہے۔ آپ کے استعارات و اشعارات سراسر تصوف اور عین سلوک ہیں۔

وفات: آپ نے بقول صاحب "اذکار قلندری" ۱۲۱۵ھ میں داعی اجل کو لبیک کہا۔ آپ کا مزار موضع ملک مردانہ کھوکر میں ہے۔

قطعہ

چون "مراد" از دار دنیا رخت بست رفت در گلزار جنت بامراد
سال وصل آن شہ عالی لقا شد عیان شاہ کرامت بامراد

شیخ قلندر شاہ قریشی حارثی ہنکاری بن شیخ کرم شاہ قریشی قدس سرہ

متاخرین میں سے کامل شیخ ہیں۔ خوارق و کرامات کے جامع تھے۔ مظہر زہد و ریاضت تھے۔ اگرچہ "سلسلہ عالیہ سہروردیہ" میں اپنے دادا سے اجازت و خلافت ملی تھی' تاہم دیگر سلسلوں کی خلاف بھی دوسرے بزرگوں سے حاصل کی تھی۔ چنانچہ چشتیہ طریقہ کی تلقین اذکار شیخ بدر الدین چشتی صابری سے اور خلافت سلاسل خمسہ یعنی چشتیہ' نقشبندیہ' سہروردیہ' قادریہ اور مداریہ شیخ اجمل الہ آبادی سے حاصل کی تھی۔ تکمیل کے بعد آپ اپنے دور کے عظیم روحانی راہنما رہے۔

صاحب "اذکار قلندری" فرماتے ہیں ایک دن حضرت قلندر شاہ' لاہور کے مضافات کے ایک قصبہ "مہی" میں تشریف لے گئے۔ چونکہ ان دنوں بارش بند تھی اور زمیندار بارش نہ ہونے کی وجہ سے تنگ آئے ہوئے تھے اس لیے سب نے مل کر آپ کی خدمت میں عرض کی کہ بارش برسنے کی دعا کریں۔ آپ نے چار مریدوں کو ہدایت کی کہ جنگل بیابان میں جا کر جتنا ہوسکے لا الہ الا اللہ کا ذکر کریں۔ انشاء اللہ' اللہ کی رحمت بارش کی صورت میں نازل ہوگی۔ انہوں نے حکم کی تعمیل کی۔ ابھی تین گھڑیاں نہ گزری تھیں کہ آسمان پر بادل چھا گئے۔ بارش برسنی شروع ہوگئی اور اتنی برسی کہ کبھی نہ برسی تھی۔۔۔۔

نیز "صاحب اذکار قلندری" سید حق آگاہ فضل شاہ ساکن ساندہ (جو آپ کے عظیم خلیفہ ہیں) کی زبانی تحریر فرماتے ہیں۔

ایک دن حضرت چھ درویشوں کے ساتھ موضع ساندہ میں سید فضل شاہ کے گھر رونق افروز ہوئے۔ سید ممدوح نے بارہ اشخاص کو کافی ہونے والا کھانا

اپنے گھر میں تیار کروا رکھا تھا۔ جب کھانے کا وقت آیا تو آپ کے بہت سے مرید حاضر ہو گئے۔ فضل شاہ حیران تھے کہ کھانا کم ہے اور کھانے والے زیادہ۔ ابھی اسی تردد میں تھے کہ شیخ قلندر شاہ نور باطن سے معاملہ بھانپ گئے۔ فرمایا "حضرت سید! حیران ہونے کی بات نہیں۔ جتنا کھانا آپ کے پاس ہے یہاں لاؤ"۔ فضل شاہ نے جتنا کھانا پکا تھا' اٹھایا لایا اور آپ کے حضور رکھ دیا۔ اس نے سوچا کہ شاید آپ تمام حاضرین میں تھوڑا تھوڑا کھانا تقسیم کریں گے۔ اسی دوران شیخ خود اٹھے۔ اپنے کندھے سے چادر اتار کر کھانے کے برتنوں کو ڈھانک دیا اور بانٹنا شروع کر دیا۔ جب سب نے خوب پیٹ بھر کر کھا لیا تو چادر اٹھائی گئی جتنا کھانا ابتداء میں تھا' اتنا ہی اب بھی موجود تھا۔

ولادت: آپ کی ولادت باسعادت بقول صاحب "اذکار قلندری" ۱۱۸۵ھ میں ہوئی۔

وفات: آپ نے ۲۶ر رمضان المبارک ۱۲۴۸ھ میں وفات پائی۔

صاحب "اذکار قلندری" از شاہ غلام محی الدین فرزند آنجناب نے آپ کی تاریخ وفات کے جو قطعات لکھے' مندرجہ ذیل ہیں۔

از صاحب اذکار قلندری

دریغا کہ شاہ قلندر ز دنیا　　سفر کرد از ماسوا دار عقبیٰ
چو تاریخ سال وصالش بجستم　　بگفت ہاتف غیب کن گوش باما
بفضل خدا آن ولی زمانہ　　گرفت از پے خویش بارغ ارم جا